''جی سر۔اب تو تھوڑے دن ہی رہ گئے ہیں۔''

''ہاں۔وان فاتح کی بدنامی میں زیادہ وقت نہیں رہ گیا۔'' وہ تلخی سے مسکرایا اور موبائل اٹھالیا۔پھر پلٹا تو رملی کے چہرے پہ نظر پڑی۔اشعر کے ابرو تشویش سے اکٹھے ہوئے۔''تمہاری شکل کیوں اتری ہوئی ہے؟''

رملی نے بے چارگی سے کندھے اچکائے۔''عثمان سے کیمرہ کھوگیا۔بٹن کیمرہ جو میں نے اس کو دیا تھا۔''

اشعر محمود کے ماتھے پہ بل پڑے۔آنکھوں میں غصہ ابھرا۔''واٹ؟ کیسے کھوگیا؟ اتنی اہم ویڈیو تھی اس میں۔''

''وہ کہتا ہے کہ جب پارٹی ختم ہوئی تو اس نے دیکھا' بٹن اس کے کوٹ پہ نہیں تھا۔وہ خود حیران پریشان ہے کہ....''

''جھوٹ بول رہا ہے وہ۔کہاں جا سکتا ہے کیمرہ؟ اپنی قیمت بڑھا رہا ہے وہ بس۔اس سے ویڈیو نکلواؤ جیسے بھی ہو۔'' تلخی سے کہہ کے وہ کوٹ کا بٹن بند کرتے ہوئے باہر کی طرف بڑھ گیا۔

قلعے کا دروازہ کھولتے ہی خوبصورت سبزہ زار اور اس پہ قلانچیں بھرتے بے فکر سے ہرن نظر آئے۔سبز گھاس....جا بجا پھولوں کی کیاریاں....ایک طرف بیٹھا مور....مگر اشعر کو کچھ بھی حسین نہیں لگ رہا تھا۔اس کا سارا موڈ خراب ہو چکا تھا۔

☆......☆......☆

صبح جیسے جیسے باسی ہوتی گئی' کوالالمپور پہ آلودہ دھند سی چھاتی گئی۔دور سمندر پار انڈونیشیا کا ملک واقع تھا۔وہاں آج پھر کوئی جنگل جلایا گیا تھا اور فضا ملائیشیاء تک آلودہ ہوگئی تھی۔

وان فاتح کے لاؤنج کی کھڑکی سے دھند میں ڈوبا لان نظر آرہا تھا۔عصرہ کھڑکی کے سامنے اونچی کرسی پہ بیٹھی تھی۔مسکراتے ہوئے بت بنی۔اور سامنے تالیہ ایزل پہ کینوس سجائے' گردن ترچھی کیے پینٹ کرتی نظر آرہی تھی۔

لاؤنج میں خاموشی تھی۔ایسے میں مجسمہ بنی عصرہ نگاہ بار بار اٹھا کے وال کلاک کو دیکھتی تھی۔

''آپ کا ملاکہ والا گھر...کیا آپ لوگ اکثر وہاں جاتے ہیں؟ دراصل مجھے تاریخ بہت فیسی نیٹ کرتی ہے۔'' وہ سادگی سے پوچھ رہی تھی۔عصرہ مسکرائی۔

''وہ عرصے سے بند پڑا ہے۔کبھی کبھار چکر لگ جاتا ہے۔''

''اچھا میں نے کانگ ہو کو بھی آپ کی گیلری کی نیلامی پہ مدعو کیا ہے۔'' برش کینوس پہ پھیرتے ہوئے تالیہ نے بات پلٹ دی۔

''کانگ ہو؟ وہ چائینیز آرٹسٹ؟'' عصرہ نے ستائش اور تعجب سے ابرو اٹھائی۔تالیہ جھینپ کے مسکرائی۔

''چند برس پہلے میں نے پینٹنگ سیکھی تھی ایک آرٹ اسکول سے۔وہ وہاں پڑھاتے تھے۔اسی طرح میں ان کو جانتی ہوں۔آرٹ بنانے اور اس کو محفوظ رکھنے والے ہی ہوتے ہیں میرے سوشل سرکل میں۔''

''اچھا اگاسن کر۔ تم تو کافی کام کی لڑکی ہو۔ کیا کا نگ ہو آئیں گے؟''

''کا نگ ہو نہ صرف آئیں گے بلکہ ان کو آپ کی گیلری سے تین نوادرات بھی خریدنے ہیں۔'' وہ مگن انداز میں برش کر رہی تھی۔

''اچھا... کون سے نوادرات میں دلچسپی دکھائی انہوں نے؟''

''انہوں نے مجھے لسٹ دی تھی۔ ٹھہریں میں دکھاتی ہوں۔'' برش کا کونا دانتوں میں دبایا' اور ساتھ رکھا پرس اٹھایا۔ زپ کھولی۔ احتیاط سے تہہ شدہ کاغذ نکالا اور عصرہ کو جا کر دے آئی۔ پھر واپس کھڑی بے نیازی سے پینٹ کرنے لگی۔

''عثمانی سلطنت کا خطاطی کا اجازہ۔'' عصرہ کاغذ کھول کے پڑھ رہی تھی۔ ''بالکل۔ یہ نیلامی پہ ہوگا۔ اور یہ دسویں صدی کا شمالی افریقہ کا قرآن کا نیلے رنگ کا نسخہ۔ یہ بھی میری کلیکشن میں ہے۔'' پھر وہ ٹھہر گئی۔ آنکھیں سکوڑ کے آخری تصویر دیکھی جو اس کاغذ پہ چھپی تھی۔ (برش کرتی تالیہ کا دل زور سے دھڑکا۔)

''سنو تالیہ.... میرے پاس مظفر شاہ کے زمانے کا تو کوئی سکہ نہیں ہے۔'' اچنبھے سے آنکھیں اٹھائیں تو تالیہ نے بظاہر چونک کے اسے دیکھا۔

''پتہ نہیں عصرہ.... انہوں نے کہا تھا کہ یہ مختلف سکہ ہے۔ اس کے دونوں طرف مظفر ال سلطان لکھا ہوا ہے اور یہ آپ کے ہی پاس ہے۔'' وہ جیسے یاد کر کے بتا رہی تھی۔

''نہیں میرے پاس تو....'' عصرہ رکی' پھر گہری سانس لی۔ ''اچھا وہ.... وہ تو نقلی تھا۔ ایک فیملی فرینڈ نے اینٹیک سمجھ کے دے دیا۔ مگر کا نگ ہو کو کیسے معلوم کہ وہ میرے پاس ہوگا؟''

''جیسے مجھے معلوم ہے کہ ملاکہ سلطنت کی ایک ملکہ کی ہیئر پن آپ کے پاس ہے مگر آپ اس کو بیچتی نہیں ہیں۔ کہیں سنبھال کے رکھتی ہیں۔ آرٹ کلیکٹرز کو سب معلوم ہوتا ہے کہ کون سے نوادرات کس کے پاس ہیں' مسز عصرہ۔''

اس کی بات پہ عصرہ کھلکھلا کے ہنس دی۔ ''ہاں۔ یہ درست کہا تم نے۔ میں بھی پوری خبر رکھتی ہوں۔ مگر یہ سکہ میرے پاس نہیں ہے۔''

تالیہ نے بے فکری سے کندھے اچکا دیے۔ ''اگر آپ نہیں بیچنا چاہتیں تو انکار کر دیجیے گا' اٹس او کے۔''

''نہیں تالیہ.... یہ واقعی میرے پاس نہیں ہے۔ میں نے آگے دے دیا کیونکہ یہ سونے کا تھا مگر قدیم نہیں تھا۔ چند سال پرانا ہی ہوگا۔''

تالیہ کا دماغ بھک سے اڑ گیا مگر اس نے بدقت اپنے تاثرات کو نارمل رکھا۔ ''تو اگر وہ مجھ سے نئے مالک کا پوچھیں تو میں کیا کہوں؟''

''ان کو بتانا کہ وہ سکہ fake تھا۔ ایڈم نے تو اب تک اس کو تڑوا کے جیولری بھی بنوا لی ہوگی۔'' وہ رسان سے کہہ رہی تھی۔ نظریں گاہے بگاہے گھڑی کی طرف اٹھتی تھیں۔ مگر تالیہ کے قدموں تلے زمین سرکنے لگی۔

''ایڈم؟ آپ کا ملازم؟ تو وہ آپ نے اسے دے دیا؟'' ساری اداکاری بھول کے تیزی سے بولی۔

''ہاں۔میں نے ایک تولے سونے کا کیا کرنا تھا؟''

''جی' یہ تو ہے!'' جلدی سے سنبھل کے مسکرائی اور دوبارہ پینٹ کرنے لگی۔البتہ دوسرے ہاتھ کی مٹھی بھینچ لی تھی۔دماغ کی چولیں تک ہل گئی تھیں۔

''کتنی دیر ہے؟'' عصرہ نے پوچھا' پھر مسکرا کے خود ہی وضاحت دی۔''دراصل مجھے کہیں ضروری پہنچنا ہے۔''

''بس.... چند سیکنڈ مزید۔'' وہ آخری ٹچ دے رہی تھی۔ذہن میں آندھیاں الگ چل رہی تھیں۔عجیب گول منجدھار تھا جس میں وہ گھومتی جا رہی تھی۔اب ایڈم سے کیسے نکلوائے سکہ؟ اُف!

پینٹنگ مکمل ہوئی اور عصرہ فارغ ہو کے باہر آئی تو پورچ میں ملازمہ کھڑی تھی۔وہ اس کے قریب رکی۔

''فاتح دس منٹ تک جاگنگ سے آجائے گا۔وہ جس وقت آئے' یہ لڑکی ڈرائینگ روم میں بیٹھی ہو تا کہ اس کو سامنے نظر نہ آئے۔وہ اوپر اسٹڈی میں چلا جائے تو اس کو تالیہ کی آمد کی اطلاع کر دینا۔'' سنجیدگی سے کہہ کے سن گلاسز آنکھوں پہ چڑھائے۔''اور میری پینٹنگ کو سنبھال رکھنا۔'' پھر آگے بڑھ گئی جہاں ڈرائیور کار کا پچھلا دروازہ کھولے کھڑا تھا۔کسی ملکہ کی سی بے نیازی سے عصرہ کار میں بیٹھی۔لبوں پہ تلخ مسکراہٹ تھی۔(بھری محفل میں کل یہ لڑکی بتا رہی تھی کہ میرا باپ چائے کی پتی کا کام کرتا تھا، ہونہہ۔)

تالیہ ہاتھ دھو کے باہر آئی تو ایزل سے پینٹنگ غائب تھی۔ملازمہ اس کی چیزیں سمیٹ رہی تھی۔

''میں نے پینٹنگ اوپر ڈرائی ہونے رکھ دی ہے' آپ ناشتے کے لئے ادھر آجائیں۔بیگم صاحبہ نے کہا ہے کہ اس کے بغیر میں آپ کو نہ جانے دوں۔''

تالیہ نے اپنا پرس اٹھاتے ہوئے سرسری سی اطراف پہ نگاہ دوڑائی۔''ایڈم آگیا؟''

''وہ آنے والا ہوگا۔آج دیر ہوگئی۔'' ملازمہ نے اسے ڈائننگ ہال میں بٹھایا' پردے برابر کیے اور غائب ہوگئی۔تالیہ اب جان گئی تھی کہ سکہ گھر میں نہیں اس لیے ادھر ادھر پھرنے کے بجائے وہیں بیٹھی رہی۔چند منٹ گزرے کہ ملازمہ دوبارہ نمودار ہوئی۔

''فاتح صاحب آپ کو اوپر اسٹڈی میں بلا رہے ہیں۔''

وہ عام سی بات تھی۔سب کچھ معمول کے مطابق تھا۔مگر تالیہ مراد کا ماتھا ٹھنکا۔کچھ غلط تھا اس سب میں۔جیسے تمام ملازم کسی اسکرپٹ کو پڑھ رہے ہوں۔

وہ اٹھ کے سیدھی اوپر چلی آئی۔تیز' گہری نگاہیں گھما کے اطراف کو بھی دیکھتی تھی۔جیسے کچھ سونگھنے کی کوشش کر رہی ہو۔

اسٹڈی کا دروازہ دستک دے کر دھکیلا تو منظر سا کھلتا چلا گیا۔دیوار سے لگے کتابوں کے ریک.... آبنوسی میز اور اس کے پیچھے ٹیک لگا کے بیٹھا وان فاتح رامزل۔وہ سوٹ اور ٹائی میں ملبوس تھا۔کہنی کرسی کے ہتھ پہ جمائے' دو انگلیاں گال تلے رکھے' فاتح اس کے اوپر

آنکھیں جمائے ہوئے تھا۔

''آؤ!'' وہ گہری نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ قدم قدم چلتی قریب آئی۔ کچھ اس کی شخصیت کا سحر تھا۔ کچھ خاموش ماحول تھا.... ہر بڑھتا قدم اسے مرعوب کر رہا تھا۔ اس کے سامنے کرسی کھینچ کے بیٹھی۔ اب فاتح سامنے تھا اور اس کے پیچھے دھندلا شہر دکھاتی کھڑکی۔

''آپ نے مجھے بلایا' تو انکو۔'' وہ مسکرا کے گویا ہوئی۔ ہاتھ گود میں رکھ لیے اور پرس پیروں کے پاس۔

''تم نے کبھی Malay Annals پڑھے ہیں تالیہ؟ سارا جیوا ملایو؟'' اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے وہ بولا تو تالیہ نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''سارا جیو ملایو؟ ملائیشیا کی قدیم داستانوں کا مجموعہ جو کئی صدیاں پہلے لکھا گیا تھا آج بھی ہر ملے بچے کو بڑے ہوتے وقت پڑھایا جاتا ہے؟ میں نے اسے پڑھا نہیں ہے مگر اس کے بارے میں سنا بہت ہے۔''

''اس میں ایک کہانی ہانگ توا کی ہے۔ وہ سلطان منصور شاہ کے پانچ جری سپاہیوں میں سے ایک تھا۔ سورما۔ بہادر۔ نڈر۔ بے حد طاقتور۔'' وہ اس پر سے نظریں ہٹائے بغیر بات جاری رکھے ہوئے تھا اور تالیہ پلکیں تک نہیں جھپک پا رہی تھی۔

''ان پانچوں کو سلطان نے عظیم ہتھیاروں کی طرح تیار کیا تھا۔ ہانگ توا ان کا لیڈر تھا۔ سب سے طاقتور۔ مگر اس کی بڑھتی مقبولیت اس کے لیے مسائل پیدا کرنے لگی۔ لوگوں کو اس سے حسد ہونے لگا۔ یوں ایک دن سلطان کو غلط فہمی ہوئی کہ ہانگ توا نے حرم کا اصول توڑا ہے تو اس نے وزیرِ اعظم کو حکم دیا کہ ہانگ توا کو قتل کر دیا جائے۔''

یہاں پہ اس نے وقفہ دیا۔ وہ اب آنکھوں کی پتلیاں سکوڑے اسے بغور دیکھ رہی تھی۔ گویا سمجھنے کی کوشش کر رہی ہو۔

''وزیر دانا آدمی تھا۔ اس نے ہانگ توا کو قتل کرنے کے بجائے چھپا دیا۔'' فاتح نے نظریں تالیہ پہ جمائے بات جاری رکھی۔ ''مگر باقی چاروں کے اندر غصہ اور بغاوت جنم لینے لگی' یہاں تک کہ ایک دوسرے سورما نے ایک دن محل میں ہنگامہ برپا کر دیا۔ وہ ہانگ توا کی موت کا بدلہ لینا چاہتا تھا۔ سلطان نے اسے گرفتار کرنے کا حکم دیا مگر کوئی سپاہی اس کے قریب جانے کی ہمت نہیں رکھتا تھا۔ ایسے میں وزیر نے بادشاہ سے ہانگ توا کے لئے امان طلب کی اور بتایا کہ اس نے ہانگ توا کو مارا نہیں تھا' اور صرف وہی اپنے ساتھی سورما کو پچھاڑ سکتا ہے۔ چنانچہ وزیر ہانگ توا کو لے آیا اور بادشاہ نے اسے معاف کر دیا۔ پھر دونوں سورماؤں میں مقابلہ ہوا اور ہانگ توا نے باغی سورما کو' جو ہانگ توا کی موت کا ہی بدلہ لینے آیا تھا' مار دیا اور ایک دفعہ پھر سے سلطان کا پسندیدہ بن گیا۔''

اسٹڈی میں سناٹا چھا گیا۔ فاتح کے عقب میں کھڑکی کے شیشے پہ اتنی دھند جمع تھی کہ سارا منظر دھندلا گیا تھا۔

''تمہارا اس کہانی کے بارے میں کیا خیال ہے' تاشہ؟''

''یہی کہ یہ ایک بے کار کہانی ہے جس میں ہانگ توا نے اس سلطان سے وفا کی جو اسے ناحق قتل کی سزا سنا چکا تھا' اور اس دوست

کی جان لے لی جو اس کے لئے ہی لڑ رہا تھا۔ میں نے یہ کہانی سن رکھی ہے اور میں کبھی نہیں سمجھ سکی کہ ہانگ تواکے دوست نے ہانگ تواکو زندہ دیکھ کے ہتھیار کیوں نہیں ڈال دیے۔ یا شاید وہ اپنی انا کے پیچھے لڑتا رہا؟ آپ کا اس کہانی کے بارے میں کیا خیال ہے' تو انکو؟''

''یہی کہ اسی کو سیاست کہتے ہیں۔ طاقت کی جنگ۔ جیسے ہی ہانگ توا نے طاقتور سلطان کی طرف جاتا دروازہ کھلتا دیکھا' اس نے اپنے دوست کو مارنے سے بھی گریز نہیں کیا۔ کچھ لوگ انسانوں سے وفادار ہوتے ہیں' کچھ طاقت سے۔ اور میں یہی تمہیں سمجھانا چاہتا ہوں تاشہ!'' وہ آگے کو ہوا اور دونوں ہاتھ باہم پھنسا دئے بات جاری رکھی۔

''تم نے وان فاتح کے گھر سے ایک شے چرائی ہے۔ (وہ چونکی۔) اور میں چاہتا ہوں کہ تم وہ مجھے واپس لا دو تا کہ میں تمہارے خلاف پولیس میں شکایت نہ کروں۔''

تالیہ بالکل سن ہوگئی۔ پیر سے نیچے رکھے پرس کو چھوا جس میں وہ بریسلیٹ ابھی بھی موجود تھا۔ (یا اللہ....ان کو کیسے علم ہوا؟)

''میں نے....آپ کے ہاں سے....چوری کی ہے؟'' بے یقینی سے دہرایا۔

''اور تم نے وہ فائل اشعر کو دی ہے' میں جانتا ہوں۔''

تالیہ کے ابرو اکٹھے ہوئے۔ وہ ٹھٹکی۔ ''کون سی فائل؟''

''میں جانتا ہوں تم یہ ایش کے لئے کر رہی ہو۔ اس کے ساتھ پرتعیش زندگی گزارنا تمہارا خواب ہوگا۔ میرا خیال ہے تم اتنی امیر نہیں ہو جتنا خود کو ظاہر کرتی ہو کیونکہ ایک زمانے میں تم ایکسٹرا کردار کی طرح تھیٹر میں کام کرتی تھیں۔ تاشہ آگا پووا۔ یاد ہے؟ اس کے علاوہ بھی تمہارے بارے میں کچھ بہت dishonest سا ہے جو مجھے کھٹکتا ہے' لیکن مجھے اس سب سے کوئی غرض نہیں کیونکہ آج کے بعد تم ہمارے گھر نہیں آؤ گی۔''

تالیہ کی رنگت سرخ پڑ چکی تھی۔ لب کپکپانے لگے تھے۔ وہ اٹھی اور ہتھیلیاں میز پہ رکھے جھکی۔

''آپ نے مجھے ایک ہی سانس میں جھوٹی' چور' فراڈ اور gold digger کہہ دیا ہے' فاتح صاحب!'' اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے وہ غرائی۔

''جیسا کہ میں نے کہا' مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا تم اپنی زندگی میں کیا کرتی ہو۔ مجھے صرف اپنی فائل واپس چاہیے۔'' وہ ہلکے سے کندھے اچکا کے رسان سے بولا تھا۔ بالکل ٹھنڈا۔ کوئی غصہ' طیش کچھ بھی نہیں۔

''میں نے آپ کی کوئی فائل نہیں چرائی۔'' اس کی آنکھیں گلابی پڑ رہی تھیں اور گلا رندھ رہا تھا۔

''دیکھو تالیہ....تاشہ....واٹ ایور....کل تک اگر مجھے میری فائل نہیں ملتی تو مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ تمہیں پڑے گا۔ تمہاری اپنی کریڈیبلیٹی خراب ہوگی۔ ویسے بھی اشعر کو جیسے ہی طاقت میری طرف نظر آئے گی' وہ اپنی پرانی صفوں میں واپس آنے کے لئے

تمہارے ساتھ وہی کرے گا جو ہانگ تو انے اپنے دوست کے ساتھ کیا تھا۔"

دھند بڑھتی جارہی تھی۔اتنی کہ کمرے میں بھی بھرنے لگی تھی۔تالیہ اسی طرح ہتھیلیاں میز پہ رکھے' زخمی نظروں سے اسے دیکھے گئی۔

"تم ایک آزاد انسان ہو۔میری فائل تو مجھے مل جائے گی لیکن تمہیں اپنی نظروں میں معتبر ہونے کے لیے کوئی اخلاقی قدم لینا ہوگا۔اب تم جاسکتی ہو۔"

وہ میز سے ہاتھ ہٹا کے سیدھی ہوئی....چند لمحے سلگتی آنکھوں سے اسے دیکھتی رہی۔پھر دو قدم پیچھے ہٹی۔

"آپ کو واقعی انسانوں کی پہچان نہیں ہے' تو انکو!"

وہ اب سیل فون اٹھاتے ہوئے کھڑا ہورہا تھا۔سنجیدہ اور بے نیاز۔ملاقات کا وقت ختم ہو چکا تھا۔

تالیہ پیچھے ہٹتی گئی یہاں تک کہ اس کی کمر سے دروازہ لگا تو وہ مڑی اور باہر نکل آئی۔

دھند سی جیسے چھٹی۔سانس بحال ہوئی۔اس نے چند گہرے سانس لیے۔

وان فاتح کا اونچا محل خاموش پڑا تھا۔ملازم کونوں میں دبک گئے تھے۔سارا کھیل اسے سمجھ آ گیا تھا۔

"عصرہ محمود....تم نے مجھے con کیا۔تم نے حالم کو con کیا۔تم نہیں جانتیں کہ حالم کون ہے!"

وہ تیزی سے زینے پھلانگ رہی تھی۔

☆......☆......☆

گدلی دھند نے قلعے کو اپنے حصار میں لے رکھا تھا۔دھند میں اشعر کی کار تیار کھڑی تھی اور اشعر ناشتے کے بعد رملی سے بات کر کے' برے موڈ کے ساتھ ابھی باہر نکلا تھا۔مگر پھر وہ ٹھٹک کے رکا۔ایک کار تیزی سے اندر آئی۔اس کی فوگ لائیٹس آن تھیں۔وہ سیدھی برآمدے کے سامنے آرکی۔چند لمحے بعد عصرہ اس سے نکل کے برآمدے کے زینے چڑھتی اوپر آئی۔سرمئی کوٹ اور اسکرٹ میں ملبوس' بالوں کا جوڑا بنائے' وہ برے موڈ میں لگ رہی تھی۔

"کاکا....اتنی صبح؟" وہ مسکرایا مگر عصرہ نہیں مسکرائی۔

"میں پریشان ہوں' ایش۔فاتح بہت غصے میں ہے۔"

"ان کو شک تو نہیں ہوا؟" اس نے نرمی سے عصرہ کو دونوں شانوں سے تھاما۔

"شک؟ اسے یقین ہے یہ تمہارا کام ہے۔"

"مجھے اپنی فکر نہیں ہے' آپ کا پوچھ رہا ہوں۔آپ پہ تو شک نہیں ہوا۔" وہ پراعتماد تھا۔عصرہ نے گہری سانس لے کر خود کو ڈھیلا چھوڑ دیا۔

''مجھے خود سے شک ہٹانے کے لئے تالیہ کا نام لینا پڑا۔ وہ ابھی گھر پہ آئی ہے' اور فاتح جس طرح اس کی بے عزتی کرے گا' اس کے بعد تمہاری یہ پسندیدہ لڑکی ہمارے خاندان کے قریب بھی نہیں پھٹکے گی۔''

''یہ لڑکیاں ٹھیک ہو جاتی ہیں' اس کی پرواہ نہ کریں۔'' اس نے ناک سے مکھی اڑائی۔ ''آپ نے بس اپنی شادی کو متاثر نہیں ہونے دینا۔ اچھا کیا جو تالیہ کا نام لے لیا۔''

''اسی کے لئے تو سب کچھ کیا مگر اب میں panic کر رہی ہوں۔'' وہ پریشان تھی۔ بار بار پیشانی چھوتی۔ کبھی گردن کی پشت پہ ہاتھ رکھتی۔ ''مجھے ڈر ہے فاتح کو معلوم نہ ہو جائے۔''

''کون بتا سکتا ہے؟ رات کو تو دو گارڈز ہی ہوتے ہیں صرف۔''

''ان کا بندوبست کر لیا ہے۔ وہ زبان نہیں کھولیں گے۔ مگر وہ نیا لڑکا ایڈم۔ وہ باڈی مین۔ وہ گڑبڑ کر سکتا ہے۔''

وہ دونوں اونچے ستونوں والے برآمدے میں آمنے سامنے کھڑے تھے۔ صبح کی گدلی دھند ارد گرد پھیلی تھی اور ملازم باادب فاصلے پہ جا کھڑے ہوئے تھے۔

''میں رملی سے کہتا ہوں کہ عبداللہ سے کہے' ایڈم اس کی جگہ لینے کی کوشش کر رہا ہے۔ دیکھنا' عبداللہ دو روز قبل ہی بھاگا بھاگا واپس آئے گا۔ اب بتائیں' کوئی اور مسئلہ؟''

عصرہ اداسی سے مسکرائی۔ ''ایش.... کیا میں اپنے شوہر کو دھوکا دے رہی ہوں؟''

''اگر یہ دھوکہ پہلے دیا ہوتا تو آج آریانہ ہمارے پاس ہوتی۔'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا تو عصرہ کی آنکھوں میں پانی بھرنے لگا۔

''وہ کسی اچھے خاندان میں تربیت پا رہی ہوگی' ایش' مجھے یقین ہے۔ وہ ایک دن ہم سے ضرور آ ملے گی۔''

''اِن شاءاللہ' کا کا۔'' اس نے کہتے ہوئے شفقت سے عصرہ کو گلے سے لگا لیا۔ عصرہ نے اس کے کندھے پہ سر رکھے آنکھیں بند کیں تو دو آنسو ٹوٹ کے چہرے پہ لڑھکے۔

''بیمار آدمی کے منہ کا ذائقہ خراب ہو جاتا ہے' کا کا۔ اس کو کھانا اور دوا زبردستی کھلانی پڑتی ہے۔ آہنگ جنون کے ہاتھوں بیمار ہیں' آپ کی دوا ان کو ناگوار گزر رہی مگر یہی ان کا علاج ہے۔'' وہ نرمی سے اس کا سر تھپکتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

چند لمحے وہ خاموشی سے دھند میں کھڑے رہے' پھر عصرہ اس سے علیحدہ ہوئی اور آنکھ کا کونا صاف کرتی مسکرائی۔

''اب میں مطمئن ہوں۔ تم عبداللہ کو بلواؤ۔ صبح تو ایڈم کو میں نے کام سے مارکیٹ بھیج دیا تھا' اب آتا ہے تو اس کا بندوبست کرتی ہوں۔''

پھر اس نے گردن گھما کے دیکھا۔

''دھند چھٹ رہی ہے۔شکر۔'' سبزہ زار تھوڑا تھوڑا دکھائی دینے لگا تھا۔دھند ہلکی ہو رہی تھی۔سورج روشن چمکنے لگا تھا۔

اسے واپس گھر جانا تھا۔یقیناً تالیہ اب تک جا چکی ہوگی۔جان چھوٹی۔

☆......☆......☆

وان فاتح کی رہائشگاہ پہ سورج اب مکمل طور پہ طلوع ہو چکا تھا۔دھند قریباً چھٹ چکی تھی۔ایڈم ہاتھ میں شاپنگ بیگ لئے لاؤنج میں داخل ہوا تو عصرہ سامنے بڑے صوفے پہ براجمان تھی۔ٹانگ پہ ٹانگ جمائے' مسکراتی ہوئی وہ جیسے اسی کی منتظر تھی۔

''میم' کیا مجھے دیر ہوگئی؟ سر آفس چلے گئے؟'' وہ باہر فاتح کی کار غائب دیکھ کے پریشان ہو گیا تھا۔

''عثمان ہے ان کے ساتھ' بے فکر رہو۔سامان آسانی سے مل گیا تھا؟'' وہ نرمی سے گردن اٹھائے اسے دیکھتی پوچھنے لگی۔

''جی میم....سب کچھ مل گیا۔میں پھر اب آفس جاؤں؟''

''ایڈم....ریلیکس۔تم آج چھٹی لو اور گھر جاؤ۔''

ایڈم جو بار بار گھڑی دیکھ رہا تھا' چونکا۔''مگر آج باس کی پارلیمنٹ میں تقریر ہے' ان کو کافی کے دو مگ چاہیے ہوتے ہیں اور....''

''عبداللہ واپس آ گیا ہے۔'' اس نے نرمی سے بم پھوڑا تو ایڈم کی متفکرانہ انداز میں چلتی زبان کو بریک لگ گئی۔لب ''اوہ'' میں سکڑے۔پھر نگاہیں جھکا لیں۔

''یعنی میری جاب ختم' میم؟'' آسمان سے آہستہ آہستہ وہ زمین پہ آ گرا۔اتنے دھیرے سے کہ چوٹ لگنے کی آواز بھی نہیں آئی۔

''ہاں مگر ایلش تمہارے اور تمہاری ماں کے لئے نوکری کا بندوبست کر رہا ہے۔عبداللہ تمہارے ہی محلے کا ہے نا؟ کوئی نوکری ملی تو عبداللہ تمہیں بتا دے گا۔یہ پیسے رکھ لو۔یہ تنخواہ کے علاوہ ہیں۔تم نے اپنی منگیتر کے لئے تحفہ لینا تھا نا۔'' عصرہ نے ایک پھولا ہوا لفافہ اس کی طرف بڑھایا۔

''میم تنخواہ تو بینک میں آئے گی' وہی کافی ہے' میں یہ نہیں رکھ سکتا' اور تحفے کے لئے وہ سکہ بہت تھا۔'' وہ اداسی سے بولا۔

''رکھ لو۔جیولرز میکنگ کے الگ پیسے لیتے ہیں۔لے لو ایڈم۔'' ایڈم نے نظریں جھکائے ہاتھ بڑھایا اور لفافہ تھام لیا۔

''اب پریشان نہ ہو۔جاؤ اور اپنی منگیتر کے لئے تحفہ لو۔کبھی کوئی کام ہو تو آ جانا۔یہ بھی تمہارا ہی گھر ہے۔'' مسکرا مسکرا کے اب عصرہ محمود کے جبڑے دکھنے لگے تھے۔اس سے زیادہ اداکاری وہ نہیں کر سکتی تھی۔اب جلد وہ اکتانے والی تھی۔ایڈم نے اس کا صبر نہیں آزمایا۔

''میں باس سے آخری دفعہ مل آؤں آفس جا کر؟'' وہ جیسے اس نو دن کی کہانی کا closure چاہتا تھا۔

''آج اس کا موڈ نہیں اچھا۔اس کو تقریر بھی کرنی ہے۔وہ یوں ڈسٹرب ہوگا' ایڈم۔''

''نہیں نہیں، میں ان کو ڈسٹرب نہیں کروں گا۔کوئی بات نہیں۔'' وہ فوراً سنبھل گیا۔اپنا مقام یاد آ گیا۔پھر اسے خدا حافظ کہہ کے لفافہ تھامے باہر نکل آیا۔عصرہ نے گہری سانس لی اور ریموٹ اٹھا کے ٹی وی لگا لیا۔سارے مسئلے ختم ہوئے۔

ایڈم باہر آ کے خالی خالی سا اطراف میں دیکھنے لگا۔کہاں وہ بھاگ بھاگ کے سامان لے کر فاتح کے گھر پہنچا' اور کہاں سارے دن کی مصروفیت چٹکی میں ختم ہو گئی تھی ۔فراغت ہی فراغت....نو دن کی تیز' مصروف زندگی ....وہ ان طاقتور لوگوں کے درمیان بیٹھنا....سب راکھ ہو گیا تھا۔

اور اس نے کتنے ہی مواقع گنوا دیے۔نہ تالیہ مراد کے بارے میں فاتح سے پوچھ سکا کہ وہ واقعی پولیس آفیسر ہے یا نہیں۔نہ ہی عثمان کے بارے میں فاتح کو آگاہ کر سکا کہ وہ جھوٹ بول کے اشعر سے ملنے جاتا رہتا ہے۔ایڈم کی تو زندگی سوائے ناکامی کے کچھ نہیں ہے۔(اس نے سوچا۔) اب وہ تاشہ یا تالیہ جو بھی تھی' اس کو کیا جواب دے گا؟ اب وہ فاتح کی حفاظت کیسے کرے گا؟

سوال بہت سے تھے اور جواب ندارد۔وہ سر جھٹکتا باہر کی طرف بڑھ گیا۔ان لوگوں کو اس کی ضرورت کہاں تھی بھلا؟ وہ اس کے بغیر بھی ٹھیک تھے۔اسے فاطمہ کا تحفہ لینا تھا۔سارے کام ایک طرف' وہ اس سکے کو تڑوا کے فاطمہ کے لئے انگوٹھی بنوانے جائے گا آج۔

اس نے تہیہ کر لیا تھا۔اسے اب اپنی چھوٹی' بے رونق' معمولی زندگی میں واپس جانا ہی تھا۔

☆......☆......☆

گدلی دھند کا غبار دھیرے دھیرے چھٹتا جا رہا تھا۔اس پارک میں بڑی سی جھیل بنی تھی۔کنارے پہ جاگنگ ٹریک تھا جو دور درختوں میں گم ہوتا دکھائی دیتا تھا۔کچھ لوگ واک کر رہے تھے' کچھ بیٹھے سستا رہے تھے۔ایسے میں بھاری بھرکم داتن' متلاشی نظروں سے دائیں بائیں دیکھتی چلتی آ رہی تھی۔دفعتاً ایک بینچ کے سامنے وہ رکی۔

اس پہ تالیہ بیٹھی تھی۔سفید منی کوٹ پہنے۔سر ہاتھوں میں گرائے۔

''یعنی تمہیں شکار بازوں کی داستان پہ یقین آ ہی گیا اور اب تم پوری کہانی دوبارہ میرے منہ سے سننا...''

''عصرہ نے میرے ساتھ کھیل کھیلا ہے۔'' اس نے جھٹکے سے سر اٹھایا تو اس کا چہرہ دیکھ کے داتن چونکی۔اس کی آنکھیں اور ناک سرخ پڑ رہے تھے۔وہ سخت ہرٹ لگ رہی تھی۔

''کیا ہوا؟'' داتن پریشانی سے ساتھ بیٹھی اور اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔

''عصرہ نے مجھے جلدی بلوایا تاکہ میں پینٹنگ مکمل کر لوں اور پھر وہ غائب ہو گئی تاکہ وان فاتح مجھے ڈانٹیں....اور انہوں نے داتن.....انہوں نے مجھے چور کہا....بددیانت' جھوٹی اور فراڈ کہا۔''

''یہ سب تو ہم ہیں تالیہ۔''

تالیہ نے سلگتی نظروں سے اسے دیکھا۔ "مگر انہوں نے مجھ پہ کسی فائل کی چوری کا الزام لگایا جو میں نے نہیں چرائی۔ یہ زیادتی ہے۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ سامنے وسیع جھیل تھی اور ساتھ ٹریک۔ وہ سینے پہ بازو لپیٹے خفا خفا سی جھیل کنارے چلنے لگی۔ داتن نے اس کا پرس اٹھایا اور پیچھے لپکی۔

"یعنی اب وہ تمہیں اپنے گھر نہیں آنے دیں گے؟ چلو اچھا ہوا اس سکے سے جان چھوٹی۔"

"اس سکے کے لیے ان کے گھر جانے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ وہ ایڈم کے پاس ہے اور اسے میں سنبھال لوں گی، مگر داتن ....انہوں نے مجھ پہ غلط الزام لگایا۔" وہ تیز تیز قدم اٹھا رہی تھی، اور داتن اس کی رفتار سے ملنے کی کوشش میں ہانپنے لگی تھی۔ تالیہ کے اس طرف جھیل تھی جو دھوپ میں چمک رہی تھی۔ داتن تالیہ اس کو دیکھنا چاہتی تو تیز آتی روشنی آنکھوں کو چندھیا دیتی۔ وہ سامنے دیکھتے ہوئے، پھولے سانسوں کے درمیان کہنے لگی۔

"تم نے کون سا دوبارہ ان سے ملنا ہے جو ان کی باتیں اہمیت رکھیں؟"

"عصرہ نے مجھے پھنسایا ہے۔ وہ جانتی ہے کس نے فائل چرائی ہے، یقیناً اس کے بھائی نے۔ اگر وہ بے خبر ہوتی تو اپنے شوہر کی فائل چرانے والی لڑکی سے پینٹنگ مکمل نہ کرواتی۔ اس نے اصل چور کو بچانے کے لیے یہ سب کیا ہے۔ مجھے وہ فائل فاتح کو واپس لا کے دینی ہے۔" وہ جھیل کے سرے پہ چل رہی تھی۔ سنہری چوٹی کندھے پہ آگے ڈال رکھی تھی، جس سے ناراض لٹیں نکل کے گردن کو چھو رہی تھیں۔

"پہلے گھائل غزال اور اب یہ فائل....فاتح کے مسائل تمہارے مسائل نہیں ہیں، تالیہ۔" داتن کا سر پیٹ لینے کا دل چاہا۔

"گھائل غزال کو بھی میں دیکھ لوں گی مگر وہ جو بھی فائل ہے وہ اس کے لئے ضروری ہے۔" وہ رکی اور داتن کی طرف گھومی۔ اب دھوپ میں چمکتی جھیل اس کے پیچھے تھی جس کے باعث وہ اندھیرے میں نظر آ رہی تھی۔ داتن نے ماتھے پہ ہاتھ کا چھجا بنا کے اسے دیکھا۔

"تمہیں ابھی سکہ بھی ڈھونڈنا ہے اور سمیع کو بھی سنبھالنا ہے، ایسے میں تم سب چھوڑ کے وہ فائل اشعر سے چرانا چاہتی ہو؟"

"کس نے کہا کہ میں اسے چراؤں گی؟" وہ پہلی دفعہ مسکرائی۔ وہ ایسے صرف تب مسکراتی تھی جب اس کے پاس پلان ہوتا تھا اور تالیہ کے پاس ہمیشہ پلان ہوتا تھا۔

"پھر کون؟"

"حالم!" اندھیرے میں کھڑی تالیہ مسکرائی۔ کرنیں اس کے اطراف سے نکل کے سامنے پڑ رہی تھیں۔ "حالم واپس لائے گا وہ فائل!"

داتن پدوکا کی آنکھیں پوری کھل گئیں۔ چھجا بنایا ہاتھ نیچے گر گیا۔

"تم حالم کو اس معاملے میں لانا چاہتی ہو؟"

"ہم نے پچھلے سال ایک ممبر پارلیمنٹ فارض ڈینیئل کی بیوی کا لاکٹ چرایا تھا اور حالم نے بھاری رقم لے کر لاکٹ واپس لا دیا

تھا۔ آگے تمہیں معلوم ہے کہ فارض صاحب کو کیسے استعمال کرنا ہے۔"

داتن نے بے بسی سے اسے دیکھا۔

"وان فاتح نے تمہاری توہین کی۔ تم پھر بھی اس کے ساتھ اچھائی کیوں کرنا چاہتی ہو' تالیہ؟"

تالیہ کے اطراف سے اتنی تیز دھوپ نکل رہی تھی کہ اس کا چہرہ تاریک لگ رہا تھا۔ داتن اس کے تاثرات نہیں دیکھ پا رہی تھی مگر اس کی آواز....اس میں عجیب جادوئی پن تھا۔

"کیونکہ ایک دن آئے گا جب وہ مجھے کہیں گے کہ میں ان کے ساتھ رہوں۔ ان کو میری ضرورت ہے۔ میں اس دن کے انتظار میں وہ وعدہ نبھا رہی ہوں جو ابھی انہوں نے مجھ سے لینا ہے۔" وہ کہہ رہی تھی اور عقب میں سورج کی کرنیں جھیل کے پانی پہ رقص کر رہی تھیں....گویا سونے کا چمکتا ہوا ڈھیر ہو جو حدِ نگاہ تک پھیلا ہو.....

دو دن سے چھائی گدلی دھند اب چھٹ رہی تھی اور دن طلوع ہو رہا تھا......

☆......☆......☆

ملائیشین پارلیمنٹ کی عمارت میں ایک اونچا ٹاور تھا جو ایک زمانے میں شہر کا بلند ترین ٹاور ہوا کرتا تھا۔ یہ ملے کرنسی کے سکے پہ بھی نقش کیا ہے' مگر کم لوگ جانتے ہیں کہ اونچے ٹاور میں صرف ورکرز کے آفس وغیرہ ہیں۔ اور اس کے ساتھ جو بظاہر چھوٹی' ٹینٹ نما عمارت بنی ہے' پارلیمنٹ اور سینیٹ کے ایوان دراصل اس میں موجود ہیں۔

اس وقت وان فاتح پارکنگ میں رکی کار سے باہر نکل رہا تھا۔ گرے سوٹ میں ملبوس' بالوں کو دائیں طرف جمائے' وہ ازلی مسکراہٹ چہرے پہ سجائے ہوئے تھا۔

"میری کافی کا دوسرا مگ کہاں ہے؟" عثمان سے چھوٹتے ہی پوچھا تو عثمان گڑبڑا گیا۔

"سوری سر' یہ عبداللہ کی ڈیوٹی ہے اور وہ پہنچا نہیں ہے ابھی تک۔"

"تو ایڈم کہاں ہے؟" فاتح نے صرف ابرو اٹھایا۔ نہ غصہ' نہ اکتاہٹ۔

"سر وہ بھی شاید چھٹی پہ...."

"ویری پور مینیجمنٹ۔" بغیر غصے کے تبصرہ سا کیا اور آگے بڑھ گیا۔ سامنے ہی سوٹ اور روایتی لباس' ٹوپیوں میں موجود افراد عمارت میں داخل ہوتے نظر آ رہے تھے۔ فاتح کو دیکھتے ہی بہت سے اس کی طرف بڑھے۔ وہ بھی مسکراتا ہوا ان کے قریب آیا۔ سر کے خم سے سلام کا جواب دیا۔ اکثریت ممبرز پارلیمنٹ کی تھی۔

"وان فاتح....آپ کے گھر سنا ہے چوری ہو گئی؟"

''کوئی کاغذات وغیرہ تھے؟ پولیس میں رپورٹ کی؟''

''اللہ کرے زیادہ نقصان نہ ہوا ہو۔''

فاتح کی مسکراہٹ برقرار رہی۔ سر کے خم کے ساتھ ''شکریہ....زیادہ مسئلہ نہیں ہے'' کہہ کے آگے بڑھتا گیا۔ جیسے ہی عمارت کے اندر لفٹ تک پہنچا' اس کی مسکراہٹ غائب ہوئی اور قدرے برہمی سے وہ عثمان کی طرف پلٹا۔ ''یہ بات ساری دنیا کو کیسے معلوم ہوئی؟''

''پتہ کرتا ہوں' سر۔'' وہ فوراً واپس دوڑا اور فاتح نے سر جھٹکتے ہوئے لفٹ کا بٹن دبا دیا۔

ملے پارلیمنٹ کے ساتھ بنے اونچے ٹاور میں اپوزیشن پارٹیز کو جو فلور ملے تھے وہ تیرہویں اور چودہویں تھے جس بات کا اکثر مذاق بنایا جاتا تھا کیونکہ یہ بدقسمت نمبرز سمجھے جاتے تھے۔ ایسے ہی ایک بدقسمت فلور پہ وہ اپنے آفس میں داخل ہوا ہی تھا کہ عثمان واپس آیا۔

''ابھی آدھا گھنٹہ قبل...'' وہ ہانپ رہا تھا۔ ''...سب ممبرز پارلیمنٹ کو ان کے ورک ای میل پہ میلز ملی ہیں جس پہ ایک جعلی خبر بنا کے لکھا گیا ہے کہ آپ کے گھر چوری ہوئی ہے۔''

''اشعر۔'' اس نے دل میں سوچا اور عثمان کو جانے کا اشارہ کر دیا اور اپنی ڈائری کھول لی۔

اب وہ آفس میں اکیلا تھا۔ نفیس سا آفس جو لیڈر آف دی اپوزیشن کو ملا کرتا تھا۔ پچھلے سال اپوزیشن کے لیڈر نے (جو کہ فی الوقت باریسن نیشنل کا چیئرمین بھی تھا) اس منصب سے استعفیٰ دے دیا تھا' جس کے بعد اپوزیشن نے وان فاتح کو اپوزیشن لیڈر چنا تھا۔ پچھلے ایک سال سے یہ اس کا آفس تھا۔

دروازے پہ آہٹ ہوئی تو اس نے نوٹس سے نظر اٹھائی۔ عبداللطیف صاحب چوکھٹ میں کھڑے تھے۔ سفید بالوں اور جناح کیپ والے عبداللطیف روایتی لباس میں ملبوس تھے۔ فاتح نے عینک اتاری' نوٹس رکھے اور مسکرا کے ان کو اندر آنے کا اشارہ کیا۔

''یہ چوری کا کیا قصہ ہے؟'' وہ کرسی سنبھالتے ہوئے پوچھنے لگے۔

''ملاکہ والے گھر کے ڈاکومنٹس غائب ہوگئے ہیں۔ قوی امکان ہے کہ اشعر نے یہ کیا ہے۔ مگر خیر...'' اس نے شانے اچکائے۔ ''مل جائیں گے۔''

''مگر اشعر نے یہ کیا کیسے؟'' وہ حیران ہوئے تھے۔ کھڑکی کے بلائنڈز بند ہونے کے باعث آفس میں نیم اندھیرا سا تھا مگر فاتح کا چہرہ پھر بھی روشن دکھائی دیتا تھا۔

''1849ء میں ایک آدمی ہوتا تھا امریکہ میں ولیم تھامسن نام کا۔'' وہ مسکراتے ہوئے گویا ہوا۔ ''بظاہر بڑا قیمتی لباس پہنے متاثر کن سا لگتا تھا۔ ایک دن وہ سڑک پہ آیا اور ایک ایک شخص کو روک کے پوچھنے لگا' کیا آپ کو مجھ پہ اتنا کانفیڈینس ہے کہ آپ کل تک کے لئے اپنی گھڑی میرے پاس رکھوا دیں؟ یہ اتنا ڈائریکٹ سوال تھا جس کا تعلق ایک انسان کی عزت نفس سے تھا کہ بہت سے لوگوں نے لحاظ

میں اس کو اپنی گھڑی دے بھی دی۔ وہاں سے اس کھیل کا نام کانفیڈینس گیم یا con گیم پڑا اور ایسے آدمی کو کانفیڈینس مین یا con مین کہا جانے لگا۔ کون آرٹسٹ (بہروپیہ) وہ آدمی ہوتا ہے جو اس چیز کو استعمال کرتا ہے جس پہ ان کے شکار کا مکمل بھروسہ ہوتا ہے ....اور....(گہری سانس لی)....عصرہ ہر دوسرے آرٹ کلیکٹر یا آرٹسٹ سے بہت جلدی متاثر ہو جاتی ہے' اس لئے اشعر نے ہماری زندگیوں میں ایک اسی شعبے سے تعلق رکھنے والے شخص کو داخل کیا جس نے یہ چوری کی۔"

"مرد ہے یا عورت؟" انہوں نے حیرت بھری دلچسپی سے پوچھا۔

"میں اس کے پیچھے اس کے بارے میں یوں بات نہیں کرنا چاہتا۔ جو بھی ہے' اپنے کیے کی سزا اس کو مل جائے گی۔" وہ بے نیاز لگتا تھا۔

"اور اگر کاغذات نہ ملے؟" ان کو تشویش ہوئی۔

"اللہ مالک ہے۔ میں کوئی اور حل نکال لوں گا۔ اور پھر میں کہاں ان چیزوں سے ہار مانتا ہوں' عبداللطیف۔" وہ ابھی کچھ اور بھی کہنے جا رہا تھا کہ دروازہ ذرا سی دستک سے کھلا۔ دونوں نے چونک کے اس طرف دیکھا' پھر دونوں کے چہروں پہ مسکراہٹ بکھر گئی۔

"فارض صاحب....آئیے۔" فاتح نے گرمجوشی سے مسکرا کے دوسری کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ جو صاحب اندر آئے وہ سوٹ میں ملبوس تھے۔ پستہ قد اور چینی نقوش کے حامل' عینک لگائے خوش مزاج سے لگتے تھے۔ سلام کیا اور کرسی سنبھالی۔

"میں نے آپ کے گھر میں چوری کا سنا' فاتح!" وہ تشویش سے بیٹھتے ساتھ ہی بولے۔ "پولیس کارروائی کر رہی ہے کیا؟"

"زیادہ فکر کی بات نہیں۔" اس نے نرمی سے مسکرا کے ان کو تسلی دی۔

"آپ مطمئن لگ رہے ہیں' لیکن میں جانتا ہوں کہ آپ اندر سے پریشان ہیں' لیکن آپ ٹھہرے لیڈر....کبھی کمزوری ظاہر نہیں کریں گے۔ بہرحال....آپ نے کسی انویسٹی گیٹر کو ہائر کرنے کا سوچا ہے؟ یقیناً آپ اپنے گھر پولیس والوں کا داخلہ پسند نہیں کریں گے۔"

"میں ہینڈل کر لوں گا۔" وہ نرمی سے بات کر رہا تھا۔ یوں لگتا تھا فارض صاحب کی بہت عزت کرتا ہے۔

"پچھلے سال میری بیوی کا ایک قیمتی لاکٹ چوری ہوا تھا۔ اس کی نانی کی نشانی۔ وہ بھی بھری پارٹی میں سے۔ مجھے کسی نے اس اسکام' اور فراڈ انویسٹی گیٹر کا بتایا تو میں نے اس سے رابطہ کیا۔ اس نے چند گھنٹوں میں برآمدگی کر دی۔ چوری کے پہلے چند گھنٹے بہت اہم ہوتے ہیں۔ اگر آپ چاہیں تو میں آپ کو اس کا نمبر دیتا ہوں۔"

"میرا خیال ہے اس کی ضرورت نہیں ہے۔ ویسے بھی پرائیوٹ انویسٹی گیٹرز پہ مجھے اتنا اعتماد نہیں ہے۔"

"مجھ پہ تو ہے نا؟ میں نے اس آدمی سے کام لیا ہوا ہے۔ انتہائی ذہین اور شاطر ہے۔ تھوڑا گھمنڈی اور مغرور بھی ہے' پیسے بھی کافی لے گا لیکن اس کی مہارت کے اتنے پیسے تو بنتے ہیں' فاتح صاحب۔" وہ مصر ہوئے۔

''اگر ضرورت پڑی تو میں آپ کو بتاؤں گا۔'' اس نے رسان سے بات کو ٹال دیا۔

فارض ڈینئیل باہر آئے اور فون پہ ایک نمبر ملا کے کان سے لگایا۔

''حالم.... میں نے تمہاری طرف ریفر کیا ہے وان فاتح کو۔ مگر مجھے نہیں معلوم وہ رابطہ کرتے ہیں تم سے یا نہیں۔ اب تک چوری کی خبر اتنی پھیل چکی ہے کہ بہت سے انویسٹی گیٹرز ان سے رابطہ کر کے ان کو اپنا کلائنٹ بنانے کی کوشش کریں گے۔ تمہارا احسان تھا مجھ پہ 'میں اتنا ہی کر سکتا تھا۔'' پیشانی کو مسلتے ہوئے مایوسی سے کہہ رہے تھے۔

''خیر.... مجھے کون سا کلائنٹس کی کمی ہے....'' جواب میں حالم کا اکھڑ لہجہ سنائی دیا تھا۔ ''میں تو آپ کے لئے کہہ رہا تھا.... جب وان فاتح کا مسروقہ مال برآمد کر کے دوں گا تو وہ آپ کے ہی مقروض ہوں گے۔ ورنہ مجھے کیا۔ ہونہہ۔'' کھٹاک سے فون بند ہو گیا۔

فارض صاحب نے گہری سانس لے کر فون کان سے ہٹایا۔ مغرور اور گھمنڈی حالم.... وہ کبھی نہیں بدل سکتا تھا۔

☆......☆......☆

وہ کوالالمپور کا ایک مصروف بازار تھا۔ درمیان میں پتھریلی روش تھی جس پہ خریدار چلتے دکھائی دے رہے تھے۔ ایسے میں ایک دکان کے آگے چھتری تلے کرسیاں میزیں لگی تھیں جن میں سے ایک پہ تالیہ بیٹھی تھی اور ابھی ابھی اس نے ہونہہ کہہ کے فون بند کیا تھا۔ داتن نے ناپسندیدگی سے اسے دیکھا۔

''اگر حالم اپنے سابقہ کلائنٹ کو تھوڑی خوش اخلاقی دکھا دے تو حالم کا کیا جاتا ہے؟''

''کس خوشی میں؟ حالم کا مارکیٹ میں کوئی امیج ہے' کوئی رعب ہے' اسے ختم تھوڑی کرنا ہے؟'' وہ نروٹھے پن سے بولی۔ ٹیک لگائے' ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھی تھی۔ سفید کوٹ اتار دیا تھا اور زرد فراک نما قمیض دکھائی دے رہی تھی۔ سنہری چوٹی آگے کو ڈال رکھی تھی۔

''خیر... میں نے ای میلز کر کے دس منٹ میں ساری پارلیمان میں چوری کی خبر پھیلا دی تھی۔ فارض سمجھا ہوگا کہ حالم کو بھی اسی طرح اڑتے اڑتے خبر ملی ہے اور وہ کلائنٹ بنانا چاہ رہا ہے۔ کیا کہہ رہا تھا وہ؟ فاتح پھنس گیا؟''

''دیکھتے ہیں۔'' وہ پرامید تھی۔ پھر گھڑی دیکھی۔

''ایڈم آنے والا ہوگا۔ تم اب جاؤ' اور کام شروع کرو۔ ہمیں معلوم کرنا ہے کہ کس نے فائل چرائی ہے۔''

''ابھی تو فاتح نے ہمیں ہائر ہی نہیں کیا۔''

''کہانا' مجھے وہ وعدہ نبھانا ہے جو اس نے مجھ سے کبھی مستقبل میں لینا ہے۔ جاؤ موٹی! کام شروع کرو۔'' داتن ناک سکوڑ کے اٹھ کھڑی ہوئی اور بیگ اٹھا لیا۔

''یہ وہ پہلا کیس ہوگا جو حالم ایمانداری سے حل کرے گا' کیونکہ پچھلے ہر کیس میں حالم خود ہی چور ہوتا تھا۔'' چڑانے کو بولی مگر تالیہ

نے اثر نہیں لیا۔ بس میز پہ رکھا سفید ہیٹ اٹھا کے سنہری بالوں پہ رکھ دیا اور چہرے کے سامنے اخبار پھیلا لیا۔ گویا اب وہ چند منٹ یہاں ستانا چاہتی تھی۔

''چے تالیہ!'' زیادہ دیر نہیں گزری جب ایڈم کی آواز پہ اس نے اخبار ہٹا کے دیکھا۔ وہ سادہ پینٹ شرٹ میں ملبوس ہاتھ میں شاپنگ بیگ اٹھائے سامنے والی کرسی کھینچ رہا تھا۔ کنپٹی پہ پسینے کے قطرے تھے گویا دھوپ میں چل کے آ رہا ہو۔

''تم نے اس بازار میں ملنے کے لئے کیوں کہا؟'' تالیہ نے ایک نظر شاپنگ بیگ پہ ڈالی جو اس نے میز پہ رکھ دیا تھا۔

''دراصل میں یہاں آیا ہوا تھا' اگر کہیں دور ملتا تو بس کا کرایہ بہت لگ جاتا۔'' وہ سادگی سے کہہ کے بیٹھ گیا۔ چہرے پہ شفاف سی مسکراہٹ تھی۔ ''میری جاب ختم ہو گئی آج' چے تالیہ۔''

''آج کیوں؟'' وہ چونکی۔ ''ابھی تو دو دن رہتے تھے۔''

''کیونکہ عبداللہ واپس آ گیا ہے۔''

''خیر....میرے نزدیک تمہارے گیارہ دن ابھی ختم نہیں ہوئے۔ تمہاری جاب جاری ہے۔'' وہ ٹیک لگائے' سر پہ ترچھا ہیٹ رکھے' مسکرا کے بولی۔

''اوکے۔'' وہ ہلکا سا مسکرایا۔ ''اب مجھے کیا کرنا ہوگا؟'' وہ پر جوش اور متجسس تھا۔ تابعدار سا تابعدار۔

''ہمیں رپورٹ ملی ہے کہ وان فاتح کے دشمن صرف وان فاتح کے پیچھے نہیں ہیں۔ بلکہ وہ اس گھر میں موجود ایک قدیم artefact کو بھی حاصل کرنا چاہتے ہیں....تم نے جب فاتح صاحب سے میرا ذکر کیا ہوگا تو انہوں نے بتایا تو ہوگا نا؟'' گہری آنکھیں ایڈم پہ جمی تھیں۔ اس نے نفی میں سر ہلایا۔

''میں ان سے مل بھی نہیں سکا' اور پوچھنا عجیب سا لگتا تھا۔'' (شکر!)

''خیر....تم ان کے لئے اجنبی ہو' ظاہر ہے وہ نہیں بتائیں گے۔'' تالیہ نے سکون کی سانس لی۔ ''یہ اینٹیک پیس فی الوقت ان کے پاس موجود نہیں ہے' اور وان فاتح نہیں جانتے کہ وہ کہاں گیا۔ یہ دیکھو....کیا تم اس کو پہچانتے ہو؟'' اس نے ایک کاغذ کھول کے ایڈم کے سامنے رکھا۔

وہ پولیس رپورٹ لگتی تھی۔ نیشنل ٹریژر۔ (قومی ورثہ) اور ساتھ اس کی تاریخی اہمیت۔ مگر ایڈم کی نظر پرنٹڈ تصویر پہ جم گئی۔ سنہرے رنگ کا سکہ۔ اس کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔

''یہ؟ یہ تو....'' اس نے بوکھلا کے تالیہ کو دیکھا۔ ''یہ تو مسز عصرہ نے مجھے دے دیا تھا۔''

''اوہ!'' تالیہ نے لب سکیڑے۔ ''شاید عصرہ فاتح صاحب کو بتانا بھول گئیں۔ خیر' ایڈم۔ تمہیں وہ سرکار کو واپس کرنا ہوگا کیونکہ وہ

سرکاری خزانہ ہے۔"

"مجھے نہیں معلوم تھا کہ وہ سرکاری خزانہ ہے۔" وہ پریشان نظر آنے لگا تھا۔

"اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں ایڈم بلکہ سرکاری خزانہ واپس لوٹانے پہ سرکار تمہیں بونس دے گی اور...." وہ رسان سے اس کو تسلی دینا چاہ رہی تھی مگر.....

"میں نے اس کو تڑوا کے اپنی منگیتر کے لئے ابھی ابھی انگوٹھی بنوائی ہے' چے تالیہ۔"

تالیہ کا سارا سکون اور اعتماد غارت ہوا۔ دماغ بھک سے اڑا۔ "واٹ؟" وہ کرنٹ کھا کے سیدھی ہوئی۔ آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

"تم.... بے وقوف.... بے عقل جلد باز انسان.... یہ تم نے کیا کر دیا ہے۔ کدھر... کدھر ہے وہ انگوٹھی...." پھر اس نے خود ہی شاپر میز سے جھپٹا اور کھولا۔ ڈبے کے اندر سے انگوٹھی نکالی۔ انگلیوں میں ٹٹول کے اسے دیکھا۔ "اس نے تمہارے سامنے سکے کو پگھلایا؟ بتاؤ میں جو پوچھ رہی ہوں۔"

"نہیں۔ وہ سکہ اندر لے گیا اور انگوٹھی کے ساتھ واپس آیا۔ ڈیزائن میں نے اسے بتا دیا تھا۔ فاطمہ کو اسکے والد نے بچپن میں...."

مگر تالیہ کو اسکی لو اسٹوری میں کوئی دلچسپی نہ تھی۔ وہ تیزی سے اٹھی۔ "کہاں ہے وہ شاپ؟"

"یہیں قریب میں ہے.... مگر اب کیا ہوگا چے تالیہ۔" وہ پریشانی سے کھڑا ہوا۔

"میرے ساتھ آؤ۔" ایک ہاتھ میں پرس اٹھایا' دوسرے میں انگوٹھی دبوچی اور جارحانہ انداز میں آگے بڑھ گئی۔ وہ اس کے پیچھے لپکا۔ بازار میں رش بڑھتا جا رہا تھا۔ دھوپ کی حدت میں بھی اضافہ ہو رہا تھا۔ دونوں بھیڑ میں آگے پیچھے چلتے جا رہے تھے۔ آگے چلتی تالیہ کی چوٹی کندھے پہ سامنے کو پڑی تھی۔ پیچھے چلتے ایڈم کو اس کی گردن کی پشت پہ گول سا نشان صاف نظر آ رہا تھا۔

☆......☆......☆

ایوان میں نشستیں انگریزی کے حرف U کی صورت لگی تھیں۔ مرکزی مقام پہ اسپیکر کا اونچا چبوترہ تھا جہاں وہ اپنی بلند کرسی پہ بیٹھا' کاغذات کو عینک لگا کے پڑھ رہا تھا۔ اولین نشستوں پہ وزیر اعظم بیٹھی نظر آ رہی تھی۔ گردن کڑائے' سر پہ اسٹول لئے' وہ بت کی طرح بیٹھا کرتی تھی۔ اوپر ہال میں U کی ہی صورت میں گیلری بنی تھی جہاں کرسیاں بچھی تھیں۔ رپورٹرز اور حاضرین وہاں بیٹھے ایوان کی کارروائی دیکھ رہے تھے۔

پارلیمنٹ کسی بھی جمہوری ملک کا سب سے بڑا ادارہ ہوتا ہے۔ جمہور کا مطلب ہے "عوام"۔ جمہوری ملک وہ ہوتا ہے جہاں عوام ووٹ دے کر اپنا صدر یا وزیرِ اعظم چنتے ہیں۔ بادشاہت جن ملکوں میں ہوتی ہے وہاں بادشاہ اپنا وارث خود چنتا ہے جو عموماً اس کا بیٹا ہوتا ہے۔

ملائیشیاء چونکہ جمہوری ملک ہے' اس لئے اس کا پارلیمان ملک کا سب سے بڑا اور مقدس ادارہ ہے۔ یہاں جو لوگ اپنے علاقوں سے ووٹ لے کر جیت کے آتے ہیں' جمع ہوتے ہیں اور ملک کے قانون بناتے ہیں۔ سیاستدانوں کا صرف ایک کام ہوتا ہے۔ مل بیٹھ کے قانون بنانا۔ ملک کے اداروں کو مضبوط کرنا۔

آج بھی یہاں یہی ہو رہا تھا۔ صوفیہ رحمٰن بل لائی تھی' یعنی ایک نیا قانون اس نے تمام ممبرز پارلیمنٹ کے سامنے رکھا تھا اور اس کے لئے ووٹنگ ہو رہی تھی۔ صوفیہ کی جماعت کے قریباً دو سو سے زائد لوگ پارلیمان میں تھے اور وان فاتح کی باریسن نیشنل کے ساٹھ لوگ۔ رپورٹرز جمائیں روکتے پہلے سے لکھ رہے تھے کہ بل پاس ہو جائے گا۔ کہاں دو ڈھائی سو اور کہاں ساٹھ۔

وہ عبداللطیف کے قریب کرسی پہ ٹیک لگائے' انگلیاں بائیں گال تلے رکھے کارروائی دیکھ رہا تھا۔ اسی اثناء میں دوسری طرف اشعر آ کے بیٹھا۔

''میں نے پارلیمان میں آتے ہی سنا کہ آپ کے گھر چوری ہو گئی ہے؟ کاکا نے بھی نہیں بتایا۔'' تشویش سے اس کی طرف جھکے وہ بولا تو فاتح نے صرف ایک گہری نظر اٹھا کے اسے دیکھا۔ "Who Cares?" اور سامنے دیکھنے لگا۔

اشعر البتہ ابھی تک تشویش سے اسے دیکھ رہا تھا۔ ''امید ہے زیادہ نقصان نہیں ہوا ہوگا۔''

وان فاتح نے جواب نہیں دیا۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ مائیک درست کیا۔ اس کی تقریر کا وقت ہو چکا تھا۔ اشعر زیر لب مسکرا دیا۔

''جناب اسپیکر' مجھے کچھ کہنا ہے۔'' سوٹ میں ملبوس' مدھم مسکراہٹ لئے' وہ دراز قد اور اسمارٹ سا آدمی کہنے لگا۔ ''حکومتی اراکین کو چاہیے کہ وہ تحمل رکھیں۔ میں ان کو بور نہیں ہونے دوں گا۔''

ہال میں قہقہہ گونجا۔ دلچسپی بڑھی۔ توجہ اس کی جانب مبذول ہوئی۔

''کل مجھے کسی نے کہا کہ آج اس بل کو ڈھائی سو ووٹ مل جانے ہیں' تو ہم ساٹھ اپوزیشن اراکین کے ''ناں'' میں ووٹ کرنے کا کیا فائدہ؟'' وہ گردن گھما کے پورے ہال کو دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''میں ملائیشیاء کے لوگوں کو آج ایک بات بتانا چاہتا ہوں۔ میرے لوگ جب بھی ایک بڑے عدد کے مقابلے میں چھوٹے عدد کی مخالفت دیکھتے ہیں تو سوچتے ہیں کہ ان چند لوگوں کی ہاں یا ناں سے کیا فرق پڑتا ہے۔ یہ غلط سوچ ہے۔ کیونکہ مخالفت عددی نہیں' اصولی ہوتی ہے۔ ہم لوگ صوفیہ رحمٰن کے اس قانون کے خلاف ووٹ اس کو ہرانے کے لیے نہیں ڈال رہے۔ ہم اپنا اختلاف' اپنا احتجاج ریکارڈ کروانے آئے ہیں۔ ہم تھوڑے ہیں مگر ہم ناں میں ووٹ دے کر سارے ملک کو پیغام دینے آئے ہیں کہ یہ جو ہو رہا ہے' یہ غلط ہے.... ہمارے رسول اللہ ﷺ نے ہمیں یہی سکھایا ہے کہ اپنی کم تعداد سے گھبرائے بغیر ہم نے غلط کو غلط کہنا ہے.... اور اگر ہم یہ کہنا سیکھ لیں تو ہم میں سے ایک ایک' مخالف کے دس دس پہ بھاری ہوگا۔ کیونکہ صوفیہ رحمٰن صاحبہ صرف اپنی اور اپنے والد کی کرپشن کو چھپانے کے لئے....''

ہال میں شور گونجنے لگا.... تادیبی فقرے.... نعرے.... وان فاتح بھی مزید اونچا بولنے لگا.....

''اور اپنی چوری کو بچانے کے لئے....'' (حکومتی ارکان جگہوں سے کھڑے ہو گئے) ''روز نت نئے بل لے آتی ہیں.... تاکہ لوگوں کو بے وقوف بنا سکیں....'' (لوگ کھڑے کھڑے ڈیسک بجانے لگے جس کا مطلب احتجاج تھا۔ فاتح کی آواز مزید بلند ہو گئی اور گردن پہلے سے زیادہ اونچی)۔

''مگر پردھان منتری صاحبہ.... یاد رکھیے گا.... جب تک وان فاتح رامزل زندہ ہے.... وہ آپ سے آپ کی چوری کا حساب مانگتا رہے گا.... اور ایک دن آپ کو اس ملک میں سر چھپانے کی جگہ نہیں ملے گی۔''

کسی نے بل کی کاپیاں ہوا میں اڑائیں.... کسی نے فائلیں نیچے گرائیں.... اپوزیشن کے ساٹھ اراکین کاغذ اچھالتے ہوئے نعرے بھی لگا رہے تھے...

''اور اسی کے ساتھ ہم اس بل کی مخالفت میں ایوان سے واک آؤٹ کرتے ہیں۔'' کہہ کے وہ مائیک پہ جھکا اور ڈیسک پہ دو دفعہ زور سے ہاتھ مارا' پھر سیدھا ہوا اور نشست کے پیچھے سے نکل آیا۔ اس کا رخ باہر کی جانب تھا۔

باریسن نیشنل کے اراکین کاغذوں کے پرزے اچھالتے اس کی معیت میں دروازے کی طرف بڑھ رہے تھے۔ حکومتی اراکین شور کر رہے تھے اور اسپیکر مسلسل ''بیٹھ جائیے' ایسے نہ کیجئے۔'' کہہ کے معاملہ سنبھالنے کی کوشش کر رہا تھا۔

اپوزیشن اراکین باہر نکلے تو وہاں کھڑے رپورٹرز دھڑا دھڑ تصاویر کھینچنے لگے۔ فاتح جو سب سے آگے تھا' مسکرا کے ہاتھ فضا میں ہلاتا آگے بڑھ گیا۔

''مسز عصرہ کا فون ہے سر!'' وہ راہداری میں چلتا جا رہا تھا جب عثمان نے اپنا فون اسے لا دیا۔ فاتح نے فون کان سے لگایا۔ ''کیا ہوا؟''

''تمہیں کال کر رہی تھی' تم اٹھا نہیں رہے تھے۔ فائل کا کچھ پتہ چلا۔'' وہ فکر مند لگ رہی تھی۔

''تمہارے بھائی کو بہتر پتہ ہوگا۔'' وہ لفٹ میں داخل ہوا۔

''وہ تالیہ... جاتے ساتھ اشعر کو بتائے گی اور اشعر بہت برا منائے گا کہ ہم نے تالیہ پہ شک کیا۔''

''شک کیا؟ مجھے یقین ہے یہ اسی کا کام ہے۔'' وہ تلخی سے کہہ رہا تھا۔ لفٹ نیچے جا رہی تھی۔ عثمان خاموشی سے ساتھ کھڑا تھا۔

''کیا ہم اوریجنل فائل دوبارہ نہیں نکلوا سکتے؟ جب گھر تمہارے نام رجسٹرڈ ہے تو مسئلہ کیا ہے؟ وہ فائل اگر ایلش نے چوری بھی کروائی ہے تو اب وہ تو ہمیں نہیں ملنی۔''

''بہت وقت لگ جائے گا اس میں۔ خیر میں مصروف ہوں۔ گھر آ کے بات کرتا ہوں۔'' اس نے فون عثمان کی طرف بڑھا دیا۔

اب وہ اکتایا ہوا لگنے لگا تھا۔

''فارض کو ڈھونڈو۔اس سے کہو مجھ سے پارکنگ میں ملے۔ ہرنوں کے پاس۔'' کچھ سوچ کے بولا تو عثمان نے اثبات میں سر ہلا دیا۔لفٹ کے دروازے کھلنے کو تھے۔فاتح نے چہرے پہ وہی مسکراہٹ طاری کر لی۔

سیاستدان کا بزنس فیس....

☆......☆......☆

بازار میں سرخ اینٹوں کی روش بنی تھی جس پہ بھیڑ کے درمیان وہ دونوں چلتے جا رہے تھے۔سفید ہیٹ پہنے' سنہری چوٹی آگے کو ڈالے' تالیہ آگے تھی اور ایڈم پیچھے۔وہ جس جارحانہ انداز میں جا رہی تھی' ایڈم بار بار اس کا غصیلا چہرہ دیکھ کے سوچتا کہ یہ تو جاتے ساتھ ہی جیولر کی گردن دبوچ لے گی....

جیولری اسٹور پہنچتے ہی تالیہ سیدھی اندر گھس گئی۔ایڈم پیچھے لپکا۔

شوکیس کے پیچھے ایک آدمی بیٹھا تھا۔تالیہ کو دیکھ کے وہ خوش اخلاقی سے مسکرا کے اٹھا۔

''السلام علیکم میڈم!'' کہیں پیچھے تیز پنکھے چلنے کی آواز آ رہی تھی۔

''وعلیکم السلام انکل۔یہ میرا بھائی ابھی آپ سے انگوٹھی لے کر گیا تھا۔بہت ہی جلد باز ہے یہ۔مجھے بتائیے میں اس کا کیا کروں؟ آخر یہ کب بدلے گا؟'' وہ کرسی پہ بیٹھتے ساتھ ہی شروع ہو گئی۔دوستانہ لہجہ' قدرے بچگانہ آواز۔ایڈم محمد نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔وہ بالکل بھی غصے میں نہیں لگ رہی تھی۔''اب دیکھیں نا....ہماری ماں کا سکہ ہی بیچ دیا' وہ بھی اپنی بیوی کے لئے۔جس دن سے اس کی شادی ہوئی ہے' ہم بہن بھائی تو مشکل میں پڑ گئے ہیں۔ اب بتائیں' میں ماں کو کیا جواب دوں گی؟'' معصومیت سے پوچھتے ہوئے پلکیں جھپکیں۔

''وہ سکہ تو ہم نے پگھلا دیا میم۔'' سیلز مین متانت سے اس کے مقابل کھڑے بولا۔

''ان چے (مسٹر)....'' وہ آگے کو ہوئی اور بے بسی بھری معصومیت سے بولی۔''وہ سکہ ہمارے لئے بہت قیمتی ہے۔ہمارے دو چھوٹے چھوٹے اکلوتے ماں باپ ہیں۔وہ شدید ناراض ہوں گے۔''

ایڈم بس کھڑا اسے دیکھ رہا تھا۔منہ کھولے۔

''میم....وہ صحیح کہہ رہا ہے' سکہ ہم نے پگھلا دیا ہے۔ہم آپ کی رقم واپس کر سکتے ہیں' مگر سکہ نہیں۔'' ایک ادھیڑ عمر صاحب کونے سے اٹھ کے اس طرف آئے تو تالیہ نے مسکرا کے گردن موڑی اور دلچسپی سے ان کو دیکھا۔پھر ہیٹ اتار کے شوکیس پہ رکھا۔

''آپ نے ناشتے میں انڈا کھایا تھا کیا؟''

ان صاحب نے اچنبھے سے اسے دیکھا۔''جی؟''

''آپ کی شرٹ پہ ادھر انڈے کا داغ لگا ہے۔شاید آپ ناشتے کے بیچ میں تھے جب آپ کے اس ملازم نے آپ کو کال کر کے

بتایا کہ ایک بے وقوف (ایڈم کی طرف اشارہ کیا) ایک اینٹیک سکہ لے کر آیا ہے اور آپ بھاگے بھاگے چلے آئے۔ جیولر اور اتنے آرام سے اینٹیک پگھلا دیں' میں کیسے مان لوں' ہوں؟'' پھر سے پلکیں جھپکیں۔

''بیٹے' مجھے واقعی سکے کی تاریخی اہمیت کا علم نہیں۔ ہم فوراً سونا پگھلا دیتے ہیں اور وہ اس نے میرے سامنے پگھلا دیا ہے۔'' وہ پکے رہے۔

تالیہ نے کہنی شوکیس پہ رکھی اور ہتھیلی پہ گال جمایا۔ ''میں پولیس کو بلا لوں' انکل؟''

''ہم نے قانونی طریقے سے انگوٹھی بنائی ہے' بل وغیرہ سب ہمارے پاس ہے۔ پولیس کیا کرے گی بیٹا؟''

''نہیں انکل' انگوٹھی کے لئے نہیں۔ ان پنکھوں کے لئے۔'' اس نے مسکرا کے ابرو سے اشارہ کیا۔ سب کی گردنیں مڑیں۔ کونے میں ایک دروازہ تھا جو دکان کے اندر کھلتا تھا۔ ادھیڑ عمر سیلز مین کے ابرو اکٹھے ہوئے۔ ''کیا مطلب؟''

''یہ دکان بالکل کونے میں ہے۔ الگ تھلگ سی۔ اور اس کے بیسمنٹ سے پنکھوں کی آواز آ رہی ہے۔ آپ نے بیسمنٹ میں پنکھے کیوں چلا رکھے ہیں؟ ہوں۔ مجھے سوچنے دیں۔'' ہتھیلی پہ گال رکھے آنکھیں بند کر کے سوچا پھر کھول کے مسکرائی۔

''نیچے تہہ خانے میں... جڑی بوٹیاں اگاتے ہیں آپ ہے نا... نشہ آور جڑی بوٹیاں... ڈرگز... ان کی بو یہاں تک آ رہی ہے مجھے۔ تمہیں آ رہی ہے نا' بھائی؟''

ایڈم نے محض سر اثبات میں ہلایا۔ وہ بالکل چپ ہو گیا تھا۔ دونوں دکانداروں نے ایک دوسرے کو دیکھا تھا۔

''اب بازار کے لوگ تو آپ سے ڈرتے ہیں' کسی کو بتاتے نہیں' لیکن میں تو نہیں ڈرتی' میں تو پولیس کو بلا سکتی ہوں۔ ہاں لیکن میں اتنی بری نہیں ہوں۔ کیوں آپ کے رزق پہ پیر ماروں۔ اس لئے...'' دوسری ہتھیلی سیدھی پھیلائی۔ ''میرا سکہ میرے ہاتھ پہ رکھ دیں اور سمجھیں کہ ہم نے آپ سے کبھی کچھ لیا ہی نہیں۔''

ادھیڑ عمر دکان کا مالک چند لمحے اسے دیکھتا رہا' پھر لڑکے کو اشارہ کیا۔ وہ اٹھ کے اندر چلا گیا۔ واپس آیا تو تھیلی ہاتھ میں تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ اسے تالیہ کے ہاتھ پہ رکھتا' ایڈم نے ''شکریہ'' کہہ کے وہ اس سے لے لی۔

''یہ واپس لے لیجیے۔'' سنجیدگی سے اس نے انگوٹھی والا بیگ پرے دھکیلا۔

''ارے میں اس کی پیمنٹ کرتی ہوں۔'' تالیہ نے پرس کھولا مگر وہ باہر جا رہا تھا۔

''ضرورت نہیں۔'' وہ خشک لہجے میں کہہ کے نکل گیا تو تالیہ سنبھل کے مسکرائی اور ''تھینک یو انکل'' کہتی اس کے پیچھے لپکی۔

وہ باہر روش پہ چلتا جا رہا تھا۔ سنجیدہ' خاموش۔

''تمہارے موڈ کو کیا ہوا ہے؟'' ایڈم نے ایک خفا نظر اس پہ ڈالی۔

''آپ نے ایک ہی سانس میں اتنے سارے جھوٹ بول دیے۔''

''کیا تم نے نور سے جھوٹ نہیں بولا تھا کہ میں نے تمہیں تحفے دے کر بھیجا ہے؟'' وہ سنجیدگی سے بولی تو ایڈم نے مڑ کے اسے دیکھا۔ سینے پہ بازو لپیٹے' سر پہ ترچھا ہیٹ رکھے' وہ اندر والی بچگانہ' سادہ لڑکی سے مختلف نظر آرہی تھی۔

''جی' آپ کی وجہ سے جھوٹ بولنا پڑا تھا مجھے۔ لیکن آپ نے ایک ڈرگز کے چلتے کاروبار کو نظر انداز کر دیا اس سکے کے پیچھے۔''

''تو میں کیا کر سکتی تھی؟''

''آپ پولیس آفیسر ہیں' ان کو گرفتار کرتیں اور سکہ برآمد کر لیتیں۔''

''یہ میرا ڈیپارٹمنٹ نہیں ہے۔ جو کام ضروری ہوتا ہے' اس پہ فوکس کیا جاتا ہے' ہاں۔'' وہ روش کے درمیان میں کھڑے تھے۔ لوگ ان کے اطراف میں آجا رہے تھے۔ دھوپ تیز ہو رہی تھی۔

''مگر آپ.... آپ اتنی آسانی سے جھوٹ کیسے بول لیتی ہیں؟''

''I Lie for a Living!'' وہ سنجیدگی سے اس کے زچ چہرے پہ نظریں جمائے بولی۔ ''اب مجھے یہ سکہ دو تاکہ میں اس کو سرکار کو لٹاؤں اور تمہارا بونس تمہیں دلاؤں۔'' ہتھیلی پھیلائی۔

''کیا آپ واقعی پولیس آفیسر ہیں؟ یونو' میں فورسز میں تھا۔ تھوڑا بہت میں بھی جانتا ہوں ان چیزوں کے بارے میں۔''

''اوہ۔'' تالیہ کے ابرو بھنچے۔ ہاتھ واپس کھینچ لیا۔ ''تم مجھ پہ شک کر رہے ہو۔ ٹھیک ہے۔ کرو شک۔ بلکہ ایسا کرو' یہ سکہ بھی تم ہی رکھ لو۔ میں رپورٹ لکھ دوں گی اور اس کیس سے الگ ہو جاؤں گی۔ آگے ڈیپارٹمنٹ جانے اور تم جانو۔''

کہہ کے وہ غصے سے آگے بڑھ گئی تو وہ کچھ خفا' کچھ الجھا ہوا مڑا۔ ''چے تالیہ!''

تالیہ تیورا کے گھومی اور انہی برہم آنکھوں سے اسے دیکھا۔ ''تمہیں بھی جیولر کی طرح سکے کا لالچ آ گیا ہے' تم اپنے لئے رکھنا چاہتے ہو تو شوق سے رکھو۔ اگر مجھ پہ اعتبار نہیں تو جو چاہے کرو۔ ہاں اگر اعتبار آ جائے تو مجھے فون کر لینا۔ مجھے اور بھی کام ہیں۔'' پھر وہ رکی نہیں۔ تیز تیز آگے بڑھ گئی۔ ایڈم نے اسے نہیں پکارا۔ وہ شش و پنج میں کھڑا رہا۔

بازار سے باہر نکلتے ہوئے اس نے داتن کا نمبر ملایا اور موبائل کان سے لگائے' کار کی طرف آئی۔ اب وہ قدرے پریشان لگ رہی تھی۔

''سکہ مل گیا ہے' مگر وہ ایڈم کے پاس ہے۔ ایڈم کو مجھ پہ شک ہو رہا ہے۔ نہیں' میں اس سے وہ چرا نہیں سکتی۔ اس کو چرایا نہیں جا سکتا۔ فی الحال ایڈم اس کا مالک ہے اور اسے وہ مجھے اپنی مرضی سے دینا ہوگا۔ اس کا شک کم ہو تو وہ مجھے کال کر لے گا' نہیں تو کوئی اور حل سوچتی ہوں......''

وہ کار میں بیٹھتے ہوئے کہہ ہی رہی تھی کہ مانوس سی رنگ ٹون سنائی دی۔ وہ چونکی۔ پھر جلدی سے پرس کھولا اور سیاہ سیل فون نکالا۔ حالم کا فون جس کی اسکرین پہ فارض کا نمبر چمک رہا تھا۔ تالیہ نے گہری سانس لی۔ اور داتن کا فون کاٹ دیا۔

''سنہرے بالوں والی ساری لڑکیاں خالی دماغ کی نہیں ہوتیں' تو انکو! اب وہ وقت آ گیا ہے کہ آپ یہ بات سمجھ لیں۔''

تلخی سے مسکرا کے بڑبڑائی اور فون کان سے لگا لیا۔ ''بولو فارض۔''

☆......☆......☆

پارلیمان کے اونچے ٹاور کے عقب میں ایک سبزہ زار بنا تھا جس کے گرد باڑ لگی تھی۔ اس کو ہرنوں کی پارکنگ کہا جاتا تھا۔ بہت سے کن چیل اور ہرن وہاں ٹہل رہے تھے۔ ایک زمانے میں چینی پارلیمنٹ اسپیکر ملائیشیاء کے دورے پہ آئے اور ہرنوں کا تحفہ لائے۔ یہ سارے ہرن انہی کی اولاد تھے اور یہیں رکھے جاتے تھے۔

فارض صاحب باڑ سے ٹیک لگائے منتظر کھڑے تھے جب انہوں نے وان فاتح کو سامنے سے آتے دیکھا۔ وہ تنہا آ رہا تھا۔ مسکراتے ہوئے۔ عثمان یا گارڈز کے بغیر۔

''کیا آپ نے اپنا ذہن بدل دیا؟''

''میں تمہارے انویسٹی گیٹر کو ہائر کرنا چاہتا ہوں' لیکن catch (معاملے کا منفی رخ) کیا ہے؟'' مسکرا کے پوچھتے وہ باڑ کے قریب آیا۔ دھوپ سارے کو جھلسا رہی تھی' ایسے میں ایک درخت تلے مادہ ہرن تین ننھے غزالوں کو لئے ستانے بیٹھی تھی۔ بڑی بڑی آنکھوں سے وہ چاروں ان دو ممبرز پارلیمنٹ کو آمنے سامنے کھڑے گفتگو کرتے دیکھ رہے تھے۔

''کیچ؟'' فارض نے اچنبھے سے پوچھا۔

''کم آن فارض۔ یہ ہو نہیں سکتا کہ بلیک مارکیٹ کے کسی انویسٹی گیٹر کو ہائر کیا جائے اور کوئی کیچ نہ ہو۔''

''وہ قانونی طریقے سے کام کرتا ہے لیکن وہ رجسٹرڈ نہیں ہے' اپنا چہرہ نہیں دکھاتا' اور پیسے Bitcoin کے ذریعے لیتا ہے۔ Bitcoin لیگل ہوتا ہے۔'' (یہ ایک ڈیجیٹل کرنسی ہوتی ہے جو ٹریس نہیں کی جا سکتی۔)

فاتح گردن موڑ کے دور سڑک کو دیکھنے لگا۔ اونچی عمارتیں.... سڑک.... دور تک پھیلا سبزہ۔ ہرن ابھی تک اسے دیکھ رہے تھے اور وہ کچھ سوچ رہا تھا۔ پھر چہرہ واپس موڑا۔

''ٹھیک ہے۔ اسے کال ملاؤ۔'' فارض نے فوراً فون نکالا اور نمبر ملایا۔

''وان فاتح تم سے بات کرنا چاہتے ہیں' حالم۔'' اور پھر موبائل اس کی طرف بڑھا دیا۔

''السلام علیکم!'' اپنی بھاری آواز میں فاتح بولا تو دوسری جانب لمحے بھر کو خاموشی چھا گئی۔ پھر مردانہ آواز ابھری۔

''سوچ رہا ہوں سیاستدان پہ سلامتی واپس بھیجوں یا نہیں' کیونکہ آپ لوگ پیٹھ میں چھرے گھونپنے کے لئے مشہور ہوتے ہیں۔ لیکن خیر....آپ مختلف دکھتے ہیں اس لئے وعلیکم السلام' وان فاتح رامزل۔ بتایئے..حالم آپ کے لئے کیا کرسکتا ہوں۔''

فاتح نے گہری سانس لی۔''کم ازکم سیاستدان میں لوگوں کو فیس کرنے کا حوصلہ ہوتا ہے حالم، وہ انکرپٹڈ فون سے مشینی آواز میں بات نہیں کرتے۔''

''مجبوری ہے' جناب' آپ کی حکومتیں میرے جیسے لوگوں کی کمائی سے ٹیکس کاٹنے کے درپے ہوتی ہیں۔ اپنی اصل آواز کا رِسک نہیں لے سکتا۔''

''ہوں۔ خیر تم بتاؤ....تم کیا کرسکتے ہو میرے لئے؟'' وہ اب آنکھیں چھوٹی کر کے دور سڑک پہ جمائے ہوئے تھا۔ مادہ ہرن ابھی تک بڑی بڑی آنکھوں سے اس کو دیکھے جارہی تھی۔ اس کے بچے البتہ گھاس کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔

''یہ تو منحصر ہے اس پہ کہ آپ مجھ سے کیا کروانا چاہتے ہیں!''

''میرے گھر سے کل رات ایک فائل چوری ہوئی ہے۔''

''دیسا پارک سٹی والے گھر سے؟'' اس نے پروفیشنل انداز میں پوچھا گویا معلومات نوٹ کررہا ہو۔ فاتح نے خود کو آرام دہ محسوس کیا۔

''ہاں۔ میرے کمرے کے لاکر سے۔''

''سیف کون سا ہے آپ کا؟''

''فائر سیف۔''

''وہ تو ریئر ارتھ میگنیٹ سے پانچ سیکنڈ میں کھل جاتا ہے' پاسورڈ کی بھی ضرورت نہیں ہوتی۔ خیر.... چوری کیا ہوا ہے؟''

''ایک فولڈر جس میں ڈاکومنٹس تھے۔''

''اس کی پہچان؟''

''نیلے رنگ کا ہے۔ میرے ملاکہ والے گھر کے کاغذات تھے۔ مجھے وہ ضروری چاہیے ہیں۔'' لمحے بھر کے لئے خاموشی چھا گئی۔ جیسے حالم چونکا ہو۔''سن باؤ کا گھر؟'' تیزی سے پوچھا۔

''ہاں....وہی گھر۔''

''آخری دفعہ کاغذات کب دیکھے آپ نے؟'' حالم سنبھل گیا تھا۔

''کل صبح۔''

''اور چوری کا علم کب ہوا؟''

''آج صبح جب میں نے اپنا لاکر کھولا۔''

''یعنی چوبیس گھنٹے کی ونڈو ہے جس میں کسی نے آپ کا لاکر کھول کے پیپرز نکالے۔ کوئی نشان' کوئی زور زبردستی کے آثار؟ ملازموں کو زدو کوب کیا گیا ہو؟'' اس کے سوالات فاتح کو مزید آرام دہ کر رہے تھے۔

''اونہوں۔ صفائی سے کام کیا گیا ہے۔ کسی کو علم بھی نہیں ہوا۔''

''اور کب تک واپس چاہیے ہیں ڈاکومنٹس؟''

''کل صبح تک۔''

''مل جائیں گے۔'' وہ اتنے آرام سے بولا تو فاتح ہلکا سا حیران ہوا۔

''اتنی جلدی کیسے ڈھونڈو گے تم؟''

اس کی حیرت پہ ساتھ کھڑے فارض صاحب تفاخر سے مسکرائے جیسے اپنے انتخاب پہ فخر ہوا ہو۔

''وان فاتح.... کبھی کوئی میجک شو دیکھنے گئے ہیں آپ؟''

''شاید۔'' اس نے شانے اچکائے۔

''لوگ جادوگروں کے تماشے دیکھنے کیوں جاتے ہیں؟ حیران ہونے کے لئے.... دھوکہ کھانے کے لئے... amazed ہونے کے لئے۔ اگر جادوگر آپ کو amaze نہیں کر رہا' اگر وہ آپ کو دھوکہ نہیں دے پا رہا' اگر آپ کو اس کی ٹرک پہلے سے معلوم ہو گئی ہو' تو وہ اچھا جادوگر نہیں ہوتا۔ آپ بور ہوتے ہیں۔ آپ کو مزا نہیں آتا۔ اس لیے آپ کو میرا طریقہ کار معلوم کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ میرے پاس دھوکہ کھانے آئے ہیں' حیران ہونے' ٹرِکڈ ہو جانے.... اگر آپ کی تشفی نہ ہو تو میں آپ سے پیسے نہیں لوں گا۔''

''چلو... دیکھتے ہیں۔'' وہ مسکرایا۔ ''تمہارے پاس کل صبح تک کا وقت ہے۔''

''آخری سوال' آپ کو کسی پہ شک ہے؟ کون یہ کام کر سکتا ہے۔''

''تم جادوگر ہو' تم اپنے جادو سے خود معلوم کرو کہ کون یہ کر سکتا ہے۔'' وہ جیسے لطف اندوز ہو رہا تھا۔

''پھر جادو دیکھنے اور سہنے کے لئے تیار ہو جایئے' وان فاتح!'' حالم کا جواب اسی کے انداز میں آیا۔ ''اور ہاں... اگلی دفعہ مجھے اپنے نمبر سے فون کیجیے گا۔ مجھے درمیانی لوگ نہیں پسند۔''

''اور تمہاری فیس!''

''وہ کام کے بعد ہو گی اور.... میری مہارت اور آپ کی شخصیت کے مطابق ہو گی۔ خدا حافظ!'' کال کٹ گئی۔ فاتح کی مسکراہٹ مزید گہری ہوئی۔ ستائشی انداز میں ابرو اچکا کے فون فارض کی طرف بڑھایا۔

''کون ہے یہ آدمی؟ آئی لائیک ہم!''

''جو بھی ہے کمال ہے!'' وہ بھی خوشدلی سے مسکرا کے بولے اور اس کے ہمراہ آگے کو چل دیے۔ واپس جاتے ہوئے فاتح کی مسکراہٹ قدرتی تھی۔ جیسے وہ خوشگوار سی حیرت میں گھر گیا ہو۔ جیسے عرصے بعد کسی سے بات کر کے اتنا لطف آیا ہو۔

مادہ ہرن ابھی تک آنکھیں کھولے سپاٹ سی ان دو افراد کو دیکھ رہی تھی جو دور ہوتے جا رہے تھے۔

دور بازار کے پارکنگ میں کار میں بیٹھی تالیہ نے سوگوار مسکراہٹ کے ساتھ فون بند کیا اور اگنیشن میں چابی گھمائی۔

''عصرہ کو ایک واضح پیغام دینے کا وقت آ گیا ہے۔'' اس نے سن گلاسسز آنکھوں پہ چڑھائے اور کار سڑک پہ ڈال دی۔

☆......☆......☆

وہ دورویہ سرمئی سڑک تھی۔ دونوں اطراف لکڑی کی اونچی شاپس اور ریستوران بنے تھے۔ یہ کسی زمانے میں دو منزلہ گھر ہوتے تھے' اب جدید تراش خراش کے بعد ان کو دوکانوں میں بدل دیا گیا تھا۔ عصرہ کی گیلری بھی انہی میں سے ایک تھی۔

گیلری کے اندر کھلا سا ہال بنا تھا۔ کسی شاپنگ مال کی طرح بالائی دونوں منزلوں کی بالکونیاں یہاں سے نظر آتی تھیں۔ چھت بہت اونچی تھی۔ سیاح آگے پیچھے ٹہلتے ہوئے نوادرات دیکھ رہے تھے۔

عصرہ کا آفس دوسری منزل پہ تھا مگر اس وقت وہ آفس میں نہیں تھی۔ وہ اسٹور یج روم میں اپنی نگرانی میں سامان کو پیک کروا رہی تھی۔ اردگرد اسٹاف کام میں لگا دکھائی دیتا تھا۔

''سیکیورٹی ٹیگز کو ڈبل چیک کریں۔ انچے وکرم....'' اس نے مڑ کے ایک انڈین شخص کو پکارا۔ (جیسے چے سے مراد ''مس'' تھا ویسے ہی ''ان چے'' سے مراد مسٹر تھا۔) ''آپ سے میں یہ توقع کرتی ہوں کہ میرے کسی آرٹ پیس کو نیلامی کی جگہ پہنچنے سے قبل آنچ بھی نہیں آئے گی۔''

''میم! تالیہ بنتِ مراد آئی ہے۔'' سیکرٹری نے اندر جھانکا تو عصرہ بری طرح چونکی۔ پھر گہری سانس لی۔

''اس نے آنا ہی تھا۔ اسے میرے آفس میں بٹھاؤ۔ میں نہیں چاہتی کہ جب وہ مجھ پہ چیخے چلائے تو باہر کے لوگ اس کی آوازیں سنیں۔''

''آفس میں ہی بٹھایا ہے' لیکن وہ چیخے گی کیوں؟ وہ تو گیلری کے بڑے ڈونرز میں سے ہے۔'' سیکرٹری الجھی۔

''فاتح نے اس کی صبح بے عزتی کی ہے۔ مجھے لجاجت سے اس سے معذرت کر کے یہ معاملہ ختم کرنا ہوگا۔'' عصرہ نے پرس سے ننھا آئینہ نکالا' اسفنج سے ناک اور گال پہ میک اپ درست کیا۔ کوٹ کو نیچے کھینچ کے شکنیں درست کیں' پھر چہرے پہ فکرمندی کے تاثرات ڈالے اور باہر نکل آئی۔

ہال عبور کر کے وہ اوپر آئی تو اچھی خاصی فکرمند لگ رہی تھی۔ تالیہ کو دروازے کی طرف پشت کیے بیٹھے دیکھا تو اندر قدم رکھتے ہی

شروع ہوئی۔ ''آئی ایم سوسوری تالیہ.... مجھے بالکل اندازہ نہیں تھا کہ میرے پیچھے یہ سب ہو جائے گا' اور تم....''

وہ اپنی سیٹ کی طرف آتے ہی بے حد دکھ انداز میں کہہ رہی تھی کہ....

''السلام علیکم مسز عصرہ.... میں اچھی خبر لائی ہوں۔''

تالیہ مراد خوشگوار چہرے کے ساتھ چہکی تو عصرہ کے الفاظ منہ میں ہی رہ گئے۔ وہ ٹھہر کے تالیہ کا چہرہ تکنے لگی۔

وہ صبح والا سفید کوٹ پہنے ہوئے تھی' سنہری چوٹی آگے کو ڈالے' سر پہ ہیٹ ترچھا رکھے' گلابی گالوں والی پیاری سی لڑکی مسکراتے ہوئے بہت پر جوش لگ رہی تھی۔

''میری کانگ ہو سے بات ہوئی ہے' وہ سکوں کی شرط رکھے بغیر بھی آنے کو تیار ہیں اور آپ جانتی ہیں' کانگ ہو کے آنے کا مطلب ہے وہ دو تین بڑے ڈونرز کو ساتھ میں لائیں گے۔ میں سوچ رہی تھی کہ.... آپ کھڑی کیوں ہیں؟ بیٹھ جائیں۔''

آخر میں ذرا حیرت سے بولی تو ششدر کھڑی عصرہ سنبھلی' پھیکا سا مسکرائی اور اپنی پاور سیٹ پہ بیٹھی۔ آنکھیں ابھی تک حیران اور الجھی ہوئی تھیں۔

''اچھا صبح میں نے پینٹنگ کو فائنل ٹچ دے دیا تھا۔ یہ ایک کار پینٹنگ شاپ کا ایڈریس ہے۔'' ایک کارڈ میز پہ رکھا۔ ''ہے تو پرانی چھوٹی سی شاپ مگر آپ کے پورٹریٹ کی اس آدمی سے لاجواب فریمنگ کوئی نہیں کر سکتا۔ چونکہ نیلامی سر پہ آن پہنچی ہے' آپ اس کو آج ہی بلوا لیجیے گا۔''

''شیور!'' عصرہ زبردستی مسکرائی۔ تشویش بھری آنکھیں تالیہ پہ جمی تھیں۔ ''صبح میں گھر واپس آئی تو پورٹریٹ دیکھ لیا تھا...مگر تم جا چکی تھیں۔ ملازم بتا رہے تھے کہ فاتح نے شاید تم سے بات وغیرہ کرنی تھی؟ میرے آنے تک وہ بھی جا چکا تھا' ملاقات نہیں ہو سکی۔'' وہ غور سے اسے دیکھتے سرسری سا بولی گویا پانی کی گہرائی ماپنی چاہی۔

تالیہ نے اثبات میں سر ہلایا۔ مسکراہٹ برقرار تھی۔

''جی' انہوں نے مجھے اسٹڈی میں بلوایا تھا۔ آپ کو تو معلوم ہے' وان فاتح کا کیرزما اور سحر ہی اتنا ہوتا ہے کہ میں تو سارے الفاظ ہی بھول جاتی ہوں۔ کہاں سوچا تھا میں نے کہ میں وان فاتح کے سامنے بیٹھ بھی سکوں گی۔''

عصرہ نے جبری مسکراہٹ کے ساتھ سر کو خم دیا۔ اچنبھے بھری آنکھیں تالیہ سے ہٹ نہیں رہی تھیں۔ ''خیریت سے بلایا تھا اس نے؟''

''جی...کچھ زیادہ بات نہیں کی انہوں نے۔'' اس نے گویا لاعلمی سے شانے اچکائے۔ ''وہ مجھے ہانگ تواکی کہانی سنا رہے تھے۔ سارا جیوا ملایو کی ایک داستان۔ میں تو ہر دفعہ اتنی سٹار اسٹرک ہو جاتی ہوں کہ ان کی آدھی بات سن ہی نہیں پاتی۔ اور ہاں...'' اس نے پیشانی کو چھو کے جیسے یاد کیا۔ ''انہوں نے مجھے کہا کہ اشعر صاحب کے پاس ان کی کوئی فائل ہے جو میں اشعر صاحب سے واپس لا دوں۔ میں تو

بس لیس سر کرتی رہی' ورنہ سب میرے سر سے گزر گیا۔ اب اشعر صاحب سے میری اتنی فرینکنیس کہاں۔ پتہ نہیں وہ کیا کہہ رہے تھے' بہر حال ان سے ملنا اور بات کرنا ہی اتنا آنر ہوتا ہے کہ بس۔'' آنکھیں میچ کے مسکراتے ہوئے کھولیں' جیسے بچے کسی بات کا مزا لیتے ہیں۔

''خیر' مجھے کہیں جانا ہے تو آپ اس کارپینٹر کو بلوا لیجیے گا۔ میں نے ایک فرنچ کرٹک سے بات بھی کی ہے' اگر وہ اگلے ہفتے ملائیشیاء میں ہوئی تو وہ بھی اٹینڈ کرلے گی نیلامی۔ وہ اکثر یہیں ہوتی ہے۔'' مسکراتے ہوئے بیگ اٹھایا اور کھڑی ہوگئی۔ ''انشاءاللہ نیلامی پہ ملاقات ہوگی۔''

عصرہ نے بدقت سر اثبات میں ہلایا۔ جگہ سے نہیں اٹھی۔ ''فاتح ذرا مختلف طبیعت کا ہے تو.... آئی ایم شیور اس کی بات کا کوئی غلط مطلب نہیں ہوگا۔''

''کس بات کا؟'' وہ انجانے پن سے بولی تو آنکھوں میں سادگی تھی۔

عصرہ جبراً مسکرائی اور کارڈ اٹھالیا۔ ''کچھ نہیں۔ میں ابھی.... اس کو.... بلوا لیتی ہوں' رائٹ۔''

''صحیح!'' تالیہ مسکرادی اور پھر باہر چلی آئی۔ نکلتے ساتھ ہی چہرے کے تاثرات سنجیدہ ہوگئے۔ سیاہ چشمہ آنکھوں پہ چڑھالیا' اور گزرتے گزرتے راہداری میں رکھے فلور لیمپ کو پیر سے ٹھوکر ماری۔ لیمپ اوندھا زمین پہ آگرا۔ دو ورکرز لیمپ کی طرف دوڑے تھے۔ وہ آگے بڑھتی گئی۔

اندر عصرہ اپنے آفس میں دم سادھے بیٹھی تھی۔ چپ۔ بالکل چپ۔ تبھی کسی افتاد کی طرح سیکرٹری اندر داخل ہوئی۔

''مس تالیہ تو آپ سے اتنی اچھی باتیں کررہی تھیں' مگر جاتے جاتے انہوں نے کارنر لیمپ کو گرادیا۔''

''اچھی باتیں؟'' عصرہ نے سلگتی کھا جانے والی نظروں سے اسے گھورا۔ ''وہ صرف مجھے ایک پیغام دینے آئی تھی۔''

سیکرٹری کے لب حیرت سے کھل گئے۔ ''وہ کیا؟''

''وہ یہ کہنے آئی تھی کہ وہ ان گیمز میں مجھ سے زیادہ اچھی ہے' اور یہ کہ وہ ایک بہت خطرناک لڑکی ہے' مجھے اس سے ڈرنا چاہیے۔''

اس نے بے اختیار کنپٹی چھوئی۔ ''یہ لڑکی کسی چیز کے پیچھے ہے۔ اسے کچھ چاہیے۔ یہ مجھے یہ بتانے آئی تھی کہ میں اسے روک نہیں سکتی۔'' وہ بے بسی بھرے غصے سے ہتھیلیاں آپس میں ملتی شدید ڈسٹرب نظر آرہی تھی۔

نیچے تالیہ مراد ہال عبور کرتی نظر آرہی تھی۔ ہیل کی ٹک ٹک سارے میں گونج رہی تھی۔

گیلری سے نکلتے ہی تالیہ نے پرس سے ایک ننھا ائیر بڈ نکالا اور کان میں ڈالا۔ پھر سیدھی کار کی طرف چلتی گئی۔

''تم کہاں تھیں' تالیہ؟'' آلے سے داتن کی آواز گونجی۔

''میں عصرہ کو وارن کرنے گئی تھی۔ اور اب میں اس کے بھائی کے پاس جارہی ہوں۔ تمہارا کام کہاں تک پہنچا؟'' وہ کار میں بیٹھتے ہوئے بولی۔

''میں نے الارم کمپنی کی طرف سے جا کر وان فاتح کے گھر سے ملحقہ اسٹریٹس کے کیمرے چیک کیے ہیں....اور بوجھو مجھے کیا ملا ؟'' داتن مزے سے کہہ رہی تھی۔ ''رات کو عصرہ چند منٹ کے لئے واک کرنے نکلی تھی اور اس نے جوگرز کی جگہ سینڈل پہن رکھے تھے۔ وہ کسی اسٹریٹ میں غائب ہوئی جہاں کیمرہ نہیں تھا' اور دو منٹ میں ہی واپس آ گئی۔ اس کی شال میں مجھے لگتا ہے کہ اس نے فائل چھپا رکھی تھی۔''

''یعنی اس اندھیر کارنر میں اس نے فائل کسی کو ڈراپ کی؟''

''یقیناً اشعر کا کوئی آدمی ہوگا۔''

''کوئی ویڈیو....کوئی تصویر جس میں وہ فائل دیتے دکھائی دے رہی ہو؟''

''نہیں تالیہ' لیکن میں سوچ رہی ہوں کہ اشعر کے خاص بندوں کا فون ٹریس کرواؤں کہ وہ رات کو اس جگہ آئے تھے یا نہیں' اور....''

''داتن ریلیکس.....ہم انویسٹی گیٹر نہیں ہیں۔ اس لئے کسی قسم کی تفتیش کی ضرورت نہیں ہے۔'' کار اسٹارٹ کرتے ہوئے وہ سنجیدگی سے بولی تو داتن لمحے بھر کو خاموش ہو گئی۔

''تو پھر ہم نے کرنا کیا ہے؟''

''وہی جو ہمیں آتا ہے۔ یعنی چوری۔'' اس نے کار سڑک پہ ڈال دی۔ لمبی سرمئی سڑک اطراف میں درختوں کی لمبی قطار کے باعث چھایا میں تھی۔

''لیکن ہمیں یہ کون بتائے گا کہ فائل کہاں ہے؟''

''اشعر بتائے گا۔'' اس نے گلاسز اتارے اور مسکرا کے اسٹیئرنگ وہیل گھماتے موڑ کاٹا۔

چند لمحوں بعد وہ سیاہ موبائل اسٹینڈ پہ لگائے' اسپیکر آن کیے ہوئے تھی۔ فاتح کا نمبر ملا رکھا تھا اور گھنٹی جا رہی تھی۔

''ہیلو؟'' اس کی بھاری آواز کار میں گونجی تو تالیہ کے لبوں پہ تلخ مسکراہٹ بکھر گئی۔

''غالباً فارض نے آپ کو میرا نمبر دے دیا تھا تبھی آپ نے کال اٹھالی ورنہ میں نے سنا تھا آپ غیروں کی کیا' اپنوں کی کال بھی نہیں اٹھاتے۔''

دوسری جانب سے گہری سانس لی گئی۔ ''سنی سنائی سے زیادہ فرسٹ ہینڈ انفارمیشن پہ بھروسہ کیا کرو' حالم!''

(اور آپ نے عصرہ کی سن کے جو مجھ پہ الزام لگا دیا وہ؟) مگر بولی نہیں' صبر کر گئی۔

''تو جادوگر کے شو کے لئے تیار ہیں آپ؟''

''ابھی تک تمہارا شو شروع نہیں ہوا کیا؟ تم نے تو صبح تک فائل واپس کرنی تھی۔''

''کوئی بھی جادوگر اپنے اسسٹنٹ کے بغیر کرتب نہیں کھیلتا لیکن اسسٹنٹ کے علاوہ بھی ایک چیز وہ کرتا ہے۔ حاضرین میں سے

وہ کسی ایک کو بلاتا ہے اور اس کو کوئی کام کرنے کا کہتا ہے۔ کیا آپ کرتب کا حصہ بننا چاہیں گے؟"

"میں کسی سے احکامات نہیں لیتا' حالم!" وہ بے نیاز تھا۔

"مگر اپنی فائل کے لیے آپ کو میرے حکم کی تعمیل کرنی ہو گی' جیسے حاضرین میں سے آیا شخص اسٹیج پہ آتے ہی جادوگر کے تابع ہو جاتا ہے۔"

"حالم.... اگر تمہیں یقین ہے کہ تم میرا وقت ضائع نہیں کر رہے' تو میں یہ کروں گا' ورنہ مجھے ابھی بہت سے کام کرنے ہیں۔"

"آپ نے مجھے ایک بہت چھوٹا دورانیہ دیا ہے کام کا۔ اس لئے آپ کو میری بات ماننی پڑے گی۔ کچھ دیر بعد میں آپ کو ٹیکسٹ کروں گا' عین اسی وقت آپ ایک کام کریں گے۔"

وہ ساری تفصیل بتاتی گئی۔ حالم کا روایتی گھمنڈی انداز سمجھانے والے انداز میں بدلتا گیا۔ یہ پہلا کلائنٹ تھا۔ جس کے لئے لہجہ نرم ہوا تھا۔ پتہ نہیں کیوں اس کے سامنے سر اور دل دونوں جھک جاتے تھے۔ وہ تو انکو تھے۔

"شیور۔ میں کر دوں گا۔ لیکن ٹیکسٹ مت کرنا' میرے فون پہ رِنگ کرنا۔ میں میٹنگ میں ہوں تو فون نہیں دیکھتا۔" وہاں ازلی بے نیازی کا وہی عالم تھا۔

"رائٹ' سر!" وہ ضبط سے بولی اور اسٹینڈ پہ لگے فون کی اسکرین پہ انگلی پھیری۔ کال ختم ہو گئی۔ منہ میں کچھ بڑبڑا کے سر جھٹکا اور نظریں سڑک پہ جما دیں۔

☆......☆......☆

ایڈم محمد اس سکے کو جیب میں لئے جانے کتنی دیر سڑکوں کی خاک چھانتا رہا تھا۔ گھر آیا تو ننھا باغیچہ گرمی میں جھلس رہا تھا۔ مرغی ڈربے میں کسی کونے میں چھپی بیٹھی تھی۔ پھول مرجھائے ہوئے لگ رہے تھے۔ وہ تھکا ماندہ اندر داخل ہوا تو ماں راہداری میں کچن کے دروازے پہ کھڑی نظر آئی۔ اسے دیکھ کے آنکھوں میں حیرت ابھری۔

"تم جلدی آ گئے۔ خیریت؟"

"عبداللہ خلافِ توقع آج واپس آ گیا ہے' اس لئے میری چھٹی ہو گئی۔"

"مگر ایڈم... میری تو ابھی دس منٹ پہلے عبداللہ کی والدہ سے بات ہوئی ہے۔ عصرہ نے اس کو بلوایا تھا' مگر بس نہ ملنے کی وجہ سے وہ کل صبح تک ہی آ پائے گا۔"

ایڈم وہیں ٹھٹک کے رک گیا۔ "نہیں' مسز عصرہ نے کہا کہ وہ آ چکا ہے۔ اسی لئے تو انہوں نے مجھے بھیج دیا۔"

"کیا تمہیں یقین ہے کہ انہوں نے تمہیں کسی اور وجہ سے نہیں بھیجا؟" ایبو تشویش سے اسے دیکھ رہی تھی۔ ایڈم کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔

کیسی دنیا تھی یہ؟ کون سچا تھا؟ کون جھوٹا؟ وہ گم صم سا ہو گیا۔ پھر الٹے قدموں باہر نکل آیا۔

برآمدہ دھوپ سے محفوظ تھا۔ وہاں چھایا تھی۔ وہ کرسی پہ بیٹھ گیا اور ننھے باغیچے کو دیکھنے لگا۔ پیر قینچی صورت میز پہ رکھ لئے۔ چہرہ سوچ میں ڈوبا لگتا تھا۔

پھر اس نے فون نکال کے ڈرائیور کا نمبر ملایا۔ ڈرائیور ساری سیاستوں اور اندر کی سازشوں سے بے خبر ہوتا تھا۔ نہ اس کا اتنا عہدہ تھا' نہ مقام کہ اسے کوئی شریک کرتا۔

''ایڈم' تم آج آئے کیوں نہیں؟'' وہ اس کی آواز سنتے ہی شروع ہو گیا۔ ''فاتح صاحب پارلیمنٹ جاتے وقت ہمیشہ دو کپ کافی کے پیتے ہیں۔ عثمان کو بھول گیا تھا' اس نے صرف ایک دیا۔ یہ کیا طریقہ ہے۔'' اپنی طرف سے ڈرائیور نے رعب جھاڑا۔

''وان فاتح اس وقت کہاں ہیں؟''

''ابھی میں ان کو گھر لایا ہوں' پھر یہاں سے ہم نے آگے جانا ہے۔ باڈی مین کا فرض بھی عثمان ادا کر رہا ہے۔ تمہارا پوچھا بھی تھا فاتح صاحب نے۔''

''میں ابھی آتا ہوں۔ لیکن سنو۔'' وہ احتیاط سے پوچھنے لگا۔ ''آج گھر میں کچھ ہوا ہے کیا؟''

''کیا مطلب؟''

''کوئی غیر معمولی واقعہ؟ کوئی ایشو؟ میں اس لئے پوچھ رہا ہوں کہ کہیں میری وجہ سے....''

''صبح فاتح صاحب کی اہم فائل چوری ہو گئی۔ ملازمہ بتا رہی تھی کہ صاحب نے وہ جو پینٹر لڑکی آتی ہے' اس سے بھی پوچھ گچھ کی ہے۔ صاحب بہت غصے میں تھے صبح۔ ادھر پارلیمان میں سب کو پتہ تھا۔ دو تین ڈرائیورز نے تو مجھ سے بھی آ کے پوچھا۔''

''چے تالیہ سے؟'' اس کا دماغ تیزی سے کام کر رہا تھا۔ ''صاحب نے چے تالیہ سے پوچھ گچھ کی؟''

''ملازم کہہ رہے ہیں کہ صاحب کو شک ہے چے تالیہ نے ہی چوری کی ہے۔'' وہ اتنا باخبر تھا جتنا ہر ڈرائیور ہوتا ہے۔ ایڈم کے دماغ میں گھنٹیاں بجنے لگیں۔ ''میں آتا ہوں'' کہہ کے فون رکھا اور باہر کو بھاگا۔

وان فاتح کی رہائش گاہ پہ گھنٹی بجاتے ہی گارڈ باہر نکل آیا۔ ''تمہارا کام ختم ہو چکا ہے' ایڈم' تم کیوں آئے ہو؟'' گارڈ کو شاید ایڈم کو اندر نہ آنے دینے کی ہدایت دی گئی تھی۔

''مجھے فاتح صاحب سے ملنا ہے۔'' وہ بے چینی سے بولا تھا۔

''ایسے تو صاحب نہیں ملتے۔ وہ بہت مصروف ہوتے ہیں۔''

''صرف پانچ منٹ کے لئے ملنے دو' میں چلا جاؤں گا۔'' ابھی الفاظ منہ میں تھے کہ آٹو میٹک گیٹ کھلتا چلا گیا۔ ایڈم نے چونک

کے دیکھا۔فاتح کی کار باہر نکل رہی تھی۔فاتح پچھلی سیٹ پہ سر جھکائے' عینک لگائے' موبائل دیکھ رہا تھا۔البتہ ڈرائیور نے ایڈم کو دیکھ کے کار آہستہ کر دی۔ایڈم بھاگ کے فاتح کی کھڑکی تک گیا۔بے چینی سے دستک دی۔اس نے چونک کے سر اٹھایا' پھر بٹن پہ انگلی رکھی۔شیشہ نیچے ہوتا گیا۔

''تم کہاں تھے صبح سے ایڈم؟''اس نے سادگی سے پوچھا تو اگلی سیٹ پہ بیٹھا عثمان پورا گھوم کے تندہی سے بولا۔

''سر عبداللہ نے پہنچ جانا تھا تو اس کو فارغ کر دیا۔''

''کیا میں نے تم سے پوچھا ہے' عثمان؟''وہ اسی سنجیدگی سے عثمان کو دیکھ کے بولا تو وہ چپ ہو گیا۔فاتح نے گردن اس کی طرف موڑی۔''اور تم ٹھیک ہو' ایڈم؟''

''جی سر!''وہ جلدی سے بولا۔''سر عبداللہ ابھی تک نہیں آیا' کیا میں آپ کے ساتھ جا سکتا ہوں۔''وہ کار کی کھڑکی کو پکڑے کھڑا تھا۔

''اس کی ضرورت نہیں ہے' ایڈم۔ایم فائن۔تھینکس۔خیال رکھو اپنا۔''نرمی سے کہہ کے فاتح نے عینک اٹھالی تو ایڈم کو پیچھے ہونا پڑا۔شیشہ اوپر ہوتا گیا۔کار آگے بڑھ گئی اور وہ وہیں خالی ہاتھ کھڑا رہ گیا۔

''اب تم جاؤ۔''گارڈ اس کے سر پہ آ پہنچا۔جیسے اسے نکالنے کی جلدی ہو۔لیڈر جا چکا تھا۔وہ رکتا بھی تو کس کے لئے۔

گرمی کی حدت بڑھ گئی تھی۔وہ باہر سڑک کنارے چلتا گیا۔ذرا سی دیر میں پسینے سے پورا بھیگ گیا تو ایک جگہ درخت تلے فٹ پاتھ پہ بیٹھ گیا۔پھر جیب سے سکہ نکال کے دیکھنے لگا۔

وہ گول سنہری سکہ تھا جس کے دونوں طرف مظفر ال سلطان لکھا تھا۔اس نے سکہ مزید اونچا کی۔اس کے گول دائرے کے ساتھ ننھے ننھے حروف تھے جو مٹ مٹ کے ابھر رہے تھے....ایڈم کی آنکھیں پوری کھل گئیں۔دھوپ میں لمحے بھر کو وہ نظر آئے تھے۔1437۔پھر وہ غائب ہوتے گئے۔ایڈم بالکل سناٹے میں رہ گیا۔یہ نظر کا دھوکہ نہیں تھا۔یہ کوئی عجیب چیز تھی۔

اس نے جلدی سے سکہ ڈبے میں رکھ کے جیب میں ڈال دیا۔پھر پریشانی سے سر پکڑ لیا۔

چے تالیہ سے وہ پہلی دفعہ کب ملا؟جب وہ اس سکے کو تنکو کامل کے گھر اپنی جیب میں ڈال رہا تھا۔چے تالیہ نے دو ماہ وہاں کیوں نوکری کی؟دو ماہ پہلے تو اسے نہیں معلوم ہو گا کہ وان فاتح نے اس گھر مہمان بن کے آنا ہے۔کیا وہ اس سکے کے پیچھے تھی؟ایک نئے خیال نے اسے چونکا دیا۔

کیا یہ اس کا بار بار عصرہ کے گھر آنا....یہ سب سکے کے لئے تھا؟لیکن نہیں۔وہ تو فاتح کی حفاظت پہ مامور ایک پولیس آفیسر تھی جس کو فاتح پہلے سے جانتا تھا تبھی اس کو تاشہ کہتا تھا۔لیکن ایک منٹ...اگر وہ پہلے سے اس کو جانتا ہوتا تو چوری کے بارے میں تالیہ سے پوچھ گچھ کیوں کرتا؟اتنی کڑی پوچھ گچھ کی ہو گی تو ملازم گواہ ہیں نا اس کے!

اس کا ذہن شک اور یقین کے درمیان ڈول رہا تھا۔ بالآخر اس نے موبائل نکالا اور تالیہ کے نمبر پہ ایک پیغام لکھا۔ ''ہم کب مل سکتے ہیں؟'' اور بھیج دیا۔

اب اسے جواب کا انتظار تھا۔

☆......☆......☆

دوپہر دھیرے دھیرے شام میں ڈھل رہی تھی البتہ گرمی اور حبس ویسا ہی تھا۔ ایسے میں وہ نیلے شیشوں والا بزنس ٹاور سر اٹھائے کھڑا تھا جس کے انیسویں فلور پہ اشعر محمود کا آفس واقع تھا۔

انیسویں فلور پہ کشادہ سی لابی بنی تھی جس کے سامنے لفٹ کے دروازے اس وقت کھل رہے تھے اور تالیہ مراد باہر نکل رہی تھی۔ لباس بدل لیا تھا۔ گلابی قمیض پہ سیاہ منی کوٹ پہنے' کہنی پہ بیگ ڈالے' سنہری چوٹی کندھے پہ آگے گرائے اور سر پہ ترچھا سفید ہیٹ جمائے' وہ باہر آئی اور ریسپشن ڈیسک کے قریب رکی۔

''تالیہ بنتِ مراد.... مجھے اشعر محمود سے ملنا ہے۔''

''جی' ان کا آفس بالکل کارنر میں ہے۔'' لڑکی نے تہذیب سے گائیڈ کیا تو وہ ''ہوں'' کہہ کے نخریلی امیرزادیوں کی طرح آگے بڑھ گئی۔ کنکھیوں سے لابی کے صوفے پہ اخبار پھیلائے مطالعے میں منہمک واتن کو دیکھا مگر رکی نہیں۔

''فاتح وہ کر دے گا نا جو تم نے کہا ہے؟'' واتن اخبار سامنے رکھے آہستہ سے بولی۔ کان میں لگا آلہ دور جاتی تالیہ کو آواز پہنچا گیا۔

''حالم کی بات کون ٹال سکتا ہے۔'' وہ بے پروا ہی سے بولی۔ اب وہ راہداری کے دوسرے سرے تک پہنچ گئی تھی۔

اشعر کے آفس کے باہر بیٹھی سیکرٹری فوراً اٹھی۔ ''چے تالیہ.... اشعر صاحب آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔''

سیاہ منی کوٹ والی لڑکی نے پرس میں ہاتھ ڈالا اور سیاہ موبائل سے نمبر ملایا۔ دو گھنٹیاں اور کال کاٹ دی۔ اب وہ اشعر سے ملنے کے لیے تیار تھی۔

وہاں سے چند میل دور.... ایک بین الاقوامی نشریاتی ادارے کے اسٹوڈیو روم میں وان فاتح موجود تھا۔ سیٹ لگا تھا' کیمرے سیٹ ہو رہے تھے۔ اینکر اپنے کاغذات پڑھ رہا تھا' اور فاتح مطمئن سا ٹانگ پہ ٹانگ جمائے' کافی پیتے ہوئے سارا منظر نامہ دیکھ رہا تھا۔ تب ہی جیب میں رکھا فون تھرتھرایا تو اس نے نکال کے دیکھا۔ حالم کا نمبر دیکھ کے مسکرایا اور موبائل واپس رکھ دیا۔ پھر قریب کھڑے عثمان کو بلایا۔

''یہ کافی لے جاؤ۔ میں فریش ہو چکا ہوں' اس کی ضرورت نہیں ہے۔''

''خیریت' سر؟'' عثمان نے مسکرا کے اس کا تازہ دم چہرہ دیکھا۔

''ہاں۔ صبح ایک انویسٹی گیٹر کو ہائر کیا تھا۔ اس نے بتایا ہے کہ فائل مل گئی ہے ۔ اللہ کا شکر۔''

عثمان کا منہ کھل گیا۔ ''واقعی؟ اصلی فائل؟ کہاں سے ملی؟''

''جس نے چرائی تھی اس کے سیف سے۔'' مگ اس کی طرف بڑھا دیا اور سامنے دیکھنے لگا جہاں اینکر اپنی نشست پہ بیٹھ رہا تھا۔

عثمان پھیکا سا مسکرایا۔ ''مبارک ہو' سر!'' اور مگ لئے آگے بڑھ گیا۔

واپس اشعر کی آفس بلڈنگ میں آؤتو لابی کے صوفے پہ بیٹھی' بظاہر اخبار پڑھتی داتن دبی آواز میں ہونٹ کم سے کم ہلائے کہہ رہی تھی۔

''اب تک وان فاتح نے اپنے سیکرٹری کے سامنے فائل مل جانے کا ذکر کر دیا ہوگا۔ وہ فوراً اپنے اصل خداؤں کو بتائے گا' اور وہ پریشان ہو کے اس جگہ جائیں گے جہاں فائل رکھی ہے۔ میں اس کا پیچھا کروں گی اور یوں وہ خود ہمیں فائل تک لے جائیں گے اور ہم اس کو چرالیں گے۔''

تالیہ نے جواب نہیں دیا کیونکہ وہ اندر اشعر کے آفس میں بیٹھی تھی۔

آفس بہت روشن تھا۔ دو متصل دیواریں شیشے کی تھیں۔ وہ بلڈنگ کا کارنر آفس تھا (اونچی عمارتوں میں بنے آفسز کا بہترین آفس کارنر آفس ہوتا ہے جہاں ایک کے بجائے دو دیواریں شیشے کی ہوتی ہیں اور وہاں سے سارے شہر کا نظارہ کرنا بہت دلفریب لگتا ہے۔)

اشعر ٹیک لگائے اپنی کرسی پہ براجمان مسکرا رہا تھا اور سامنے تالیہ مراد سنجیدہ سی بیٹھی نظر آرہی تھی۔ ہیٹ سر پہ ترچھا رکھا تھا۔

''میں آپ کا زیادہ وقت نہیں لوں گی' ان چے اشعر!'' وہ ناخوشی سے کہہ رہی تھی۔ (ان چے یعنی مسٹر....)

''آپ کہیے چے تالیہ' میں آپ کے لئے کیا کر سکتا ہوں۔'' وہ مسکرا کے بولا۔ گہری چھوٹی آنکھیں تالیہ کے تاثرات کو پڑھنے کی کوشش کر رہی تھیں۔

''آپ ایک معزز انسان ہیں' اور میں ایک سوشلائیٹ اور آرٹ لور ہوں۔ کوالالمپور کے آرٹ سے تعلق رکھنے والے حلقوں میں میرا ایک نام ہے' پہچان ہے۔ میرے کسی بھی قسم کے سیاسی عزائم نہیں ہیں' نہ مجھے سیاست میں دلچسپی ہے۔ اس لئے کل جو تصویر آپ نے ٹوئیٹ کی' اس کے بعد سے مجھے موضوع گفتگو بنایا جا رہا ہے جو میرے لئے تکلیف کا باعث ہے۔'' وہ ڈسٹرب نظر آرہی تھی۔ اشعر کے چہرے پہ افسوس ابھرا۔

''جی مجھے بھی وہ سب بالکل اچھا نہیں لگا۔ اب تصویر اتارنا برا لگتا ہے' لیکن آپ فکر نہ کریں۔ میڈیا کی تو عادت ہے بات کا بتنگڑ بنانا۔''

''آپ کوشش کیجیے کہ اس کی سختی سے تردید کر دیں تاکہ میرے عزیز و اقارب کو اس سب سے تکلیف نہ ہو۔ میرا آپ کی فیملی کا حصہ بننے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔''

''تردید بات کو مزید اچھالتی ہے۔ آپ سیاست نہیں سمجھتیں' چے تالیہ۔ خاموش رہنا اور نظر انداز کرنا بہتر ہے۔'' وہ اب آگے ہو کے بیٹھا تھا سمجھانے والے انداز میں کہہ رہا تھا۔

''میں اس سیاست کو سمجھنا بھی نہیں چاہتی' اَنچے اشعر۔ صبح وان فاتح نے بھی مجھے آپ کے حوالے سے باتیں کہیں جو مجھے اچھی نہیں لگیں۔ وہ کسی فائل کا ذکر کر رہے تھے' پتہ نہیں کیا کہہ رہے تھے۔ براہِ مہربانی آپ لوگ اپنی سیاست میں مجھے نہ دھکیلیں۔'' وہ سپاٹ انداز میں کہہ رہی تھی۔

''میں آبنگ کی طرف سے معذرت کرتا ہوں۔ وہ paranoid ہیں۔'' وہ نرمی سے کہنے لگا تو تالیہ نے خفگی سے سر جھٹکا۔

''مجھے سچ میں آپ کے باہمی مسائل میں دلچسپی نہیں ہے۔ مجھے صرف آرٹ آپ کی فیملی کے قریب لایا ہے۔''

''تو آپ کو آرٹ پسند ہے؟'' وہ بات کو طول دیتے ہوئے مسکرا کے پوچھنے لگا۔ تالیہ ذرا سا مسکرائی۔

''ہر قسم کا آرٹ۔ چاہے وہ کینوس پہ بکھیرا جائے.... یا سٹیج پہ پرفارم کیا جائے یا کتاب میں کہانی کی صورت لکھا جائے۔ آرٹ حیران کرنے کا نام ہے۔ لوگ آرٹ دیکھنے پتہ ہے کیوں آتے ہیں' اَنچے اشعر؟ تاکہ وہ حیران ہوں۔ amazed ہوں۔ دھوکہ کھا جائیں اور جب ان پہ دھوکہ کھلے تو وہ ششدر رہ جائیں۔ لوگ عام زندگیوں میں ہر چیز پہلے سے جان لینا چاہتے ہیں تاکہ دھوکہ نہ کھائیں' مگر آرٹ پہ وہ صرف حیران ہونے اور اپنا دماغ بھک سے اڑا دینے کے لئے پیسہ خرچ کرتے ہیں۔ عجیب بات ہے نا؟''

''تو آپ کو لوگوں کو حیران کرنا اچھا لگتا ہے؟'' وہ محظوظ ہوا۔

''جی۔ مجھے وہاں سے آنا اچھا لگتا ہے جہاں سے انہوں نے توقع بھی نہیں کی ہوتی۔'' اس کی مسکراتی' چمک دار آنکھیں اشعر پہ جمی تھیں۔ ''آپ کو کیا اچھا لگتا ہے؟''

اشعر کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔ ''میں ایک آرکیٹیکٹ ہوں۔ مجھے اونچی عمارتیں بنانا اور بلندیوں پہ کھڑے ہو کے دنیا کو دیکھنا اچھا لگتا ہے۔'' تالیہ نے دیکھا' اس کے عقب میں شیشے کی دیوار سے دور تک پھیلی اونچی عمارتیں نظر آ رہی تھیں۔

دروازہ دستک کے ساتھ کھلا اور رملی نے اندر جھانکا۔ ''سر.... سوری مگر ضروری بات ہے۔'' ادھر داتن کان میں بولی۔ ''رملی ابھی اٹھ کے گیا ہے۔ عثمان نے اسے بتا دیا ہے شاید کہ فائل مل گئی ہے۔''

اشعر اس مداخلت پہ بدمزہ ہوا' ابھی خفگی سے رملی کو ٹوکنے والا تھا کہ تالیہ بیگ اٹھائے اٹھ کھڑی ہوئی۔ ''آپ کام کیجیے۔ میں چلتی ہوں۔'' انداز سنجیدہ اور لیا دیا سا تھا۔ اشعر نے گہری سانس لی' مسکرایا اور کھڑا ہو گیا۔ ''اوکے۔ نیلامی پہ ملاقات ہو گی' چے تالیہ۔''

''سی یو۔'' باہر آ کر وہ سیل فون پہ بٹن دباتی چلتی آئی جیسے کوئی ضروری میل کر رہی ہو۔ اشعر کے آفس کے سامنے لاؤنج سا بنا تھا۔ وہ ٹائپ کرتے کرتے وہیں بیٹھ گئی۔

''میں تیار ہوں۔ جیسے ہی رملی نکلے گا' میں اس کا پیچھا کروں گی۔'' داتن کی آواز کان میں گونجی تو تالیہ جھکے سر کے ساتھ بولی۔

''اسے جلد ہی پریشان ہو کے نکلنا چاہیے۔''

ایک منٹ گزرا۔ دو منٹ۔ پانچ منٹ۔ بالآخر رملی باہر آیا اور سیدھا اپنے کیبن کی طرف بڑھ گیا جو سامنے ہی تھا۔ کرسی سنبھالی اور کام کرنے لگا۔ تالیہ غیر آرام دہ ہوئی۔ چند منٹ مزید گزرے۔ نہ اشعر آفس سے نکلا' نہ رملی اپنی جگہ سے اٹھا۔ داتن بھی گڑبڑا گئی۔ اس کے کان میں بولی۔

''تالیہ.... یہ لوگ فائل چیک کرنے باہر کیوں نہیں نکلے؟ کسی بینک کی طرف' یا گھر کی طرف؟ کہیں تو رکھی ہوگی انہوں نے فائل۔''

تالیہ نے آنکھیں اٹھائیں۔ ہرن جیسی آنکھیں جو اطراف کا ایکس رے کر لیتی تھیں۔ پتلیاں سکوڑ کے اس نے اشعر کے آفس کے بند دروازے کو دیکھا۔

''یا شاید وہ فائل چیک کر چکے ہیں۔'' اسے ساری سمجھ آ رہی تھی۔ ''داتن.... فائل اس کے آفس میں ہی موجود ہے۔''

''اوہ!'' داتن کی فکرمند آواز آئی۔ ''آفس میں واردات کرنے کے لئے ہفتے بھر کی تیاری چاہیے۔ کوئی لمبا con کھیلنا پڑے گا۔''

''ہمارے پاس ہفتہ نہیں ہے۔ ہمارے پاس چند منٹ ہیں۔ مجھے وہ فائل ابھی چرانی ہے۔''

''مگر تالیہ....''

''ساری زندگی میں نے لالچ میں چوریاں کی ہیں داتن۔ ساری زندگی میں نے پیسے کے لئے جھوٹ بولے ہیں۔ میں چور ہوں' جھوٹی ہوں' مگر مجھے پہلی دفعہ کسی سے وعدہ نبھانا ہے۔ تو انکو کے پاس وقت نہیں ہے۔ مجھے ان کو کل صبح سے پہلے فائل دینی ہے تو دینی ہے۔ سروس باتھ رومز میں آؤ' ہمارے پاس پلاننگ کے لئے دس منٹ ہیں۔'' وہ دبی آواز میں بولتی آگے بڑھ گئی۔ بجائے لفٹ کی طرف جانے کے' وہ ایک دوسری راہداری میں مڑ گئی۔ داتن نے گہری سانس لی۔

''وہ ایک بے نیاز سیاستدان ہے جو پرسوں تک تمہیں یاد بھی نہیں رکھے گا۔ شکریہ کہہ کے آگے بڑھ جائے گا۔ طاقتور سیاستدانوں سے محبت کرنے والی لڑکیاں ہمیشہ پچھتاتی ہیں' تالیہ۔'' افسوس سے داتن بولی تھی مگر تالیہ کچھ نہیں سن رہی تھی۔ اس کا ذہن نیا پلان سوچ رہا تھا۔

لابی کی گھڑی کی سوئیاں ٹِک ٹِک کرتی آگے بڑھ رہی تھیں۔

☆......☆......☆

اسٹوڈیو میں کیمرے آن تھے۔ تیز روشنیاں جل رہی تھیں۔ تین اطراف میں سبز رنگ کے کارڈ بورڈ کی دیواریں بنائی گئی تھیں۔ انٹرویو ریکارڈ ہوتے وقت سبز کارڈ بورڈ لگایا جاتا تھا' اور بعد میں جب ٹی وی پہ دکھایا جاتا' تو سبز رنگ پہ مختلف مناظر ایڈٹ کر دیے جاتے۔

اینکر سنجیدگی سے بیٹھا' فاتح کو دیکھ کے سوال پوچھ رہا تھا....

''جب آپ وژن کی بات کرتے ہیں تو آپ کے ذہن میں بیس سال بعد کا ملائیشیا کیسا آتا ہے؟''

وان فاتح پراعتماد سا بیٹھا تھا۔ اس سوال پہ ہلکا سا مسکرایا اور گویا ہوا۔ ''ملاکہ سلطنت جیسا۔ تمہیں معلوم ہے' جیفری' بلکہ میں ملائیشیا

ء کے لوگوں سے پوچھنا چاہتا ہوں۔ کیا ان کو معلوم ہے کہ چھے سو سال پہلے کا ملاکہ کیسا تھا؟''......

اشعر کے آفس فلور کے سروس باتھ روم میں وہ دونوں کھڑی تھیں۔ تالیہ نے بیگ سنک کے سامنے انڈیل رکھا تھا' اور اندر سے کچھ چیزیں نکالتے ہوئے داتن سے کچھ کہہ رہی تھی۔ وہ سر ہلا کے جواب میں اس کی تائید کر رہی تھی.......

''جیفری' چھے سو سال پہلے ملاکہ میں مسلمان سلاطین کی حکومت تھی۔ وہ سلطنت خطے میں ایک مضبوط اور طاقتور حیثیت رکھتی تھی۔ اس دور کے لوگ ہمارے جیسے نہیں تھے۔ کہتے ہیں وہ عظیم لوگ تھے مگر آج میرے ملک کے لوگوں کو ان سے زیادہ بہادر بننے کی ضرورت ہے۔''.....

داتن باتھ روم کے کونے میں رکھی ڈسٹ بن میں اخبار پھاڑ پھاڑ کے ڈال رہی تھی۔ جب ڈسٹ بن بھر گئی تو اس نے لائٹر سے کاغذ کو سلگایا۔ جلد ہی اخبار نے آگ پکڑ لی۔ شعلے بلند ہونے لگے.....

''آج میرے ملک کے لوگ عجیب منفی رویوں میں ڈوبے ہیں۔ مجھے سب سے زیادہ تکلیف ان کے مظلوم بننے سے ہوتی ہے۔ یہ کس نے ہم انسانوں کو ہر وقت مظلومیت کی چادر اوڑھے رکھنا اور ہمدردی تلاش کرنا سکھایا ہے......؟''

باتھ روم ایریا میں داتن ڈسٹ بن کو آگ لگاتی دکھائی دے رہی تھی اور تالیہ اپنا لباس بیگ میں اڑس رہی تھی۔ اس وقت اس نے سیاہ ٹائٹس شرٹ' اور سیاہ ٹوپی پہن رکھی تھی۔ چست اور تیار۔ تیز تیز چلتے ہاتھ بیگ کی زپ بند کر رہے تھے۔ پھر بیگ کندھے پہ ڈالا اور کونے والے ٹوائلٹ میں گھسی جس کے اوپر روشن دان کی جالی لگی تھی۔ وہ اوپر چڑھی اور وینٹ کا ڈھکن اتارا.......

''آپ صرف سوشل میڈیا کو ہی دیکھ لیں' جیفری۔ مجھے اکثر لوگ وہاں اپنے دکھوں کا پرچار کرتے نظر آتے ہیں۔ انسان کے پاس اگر تین چیزیں ہوں' رزق' عزت اور صحت اور وہ پھر بھی وہ غمزدہ ہو اور ہمدردی طلب کرتا نظر آ رہا ہو تو وہ ناشکرا ہوتا ہے......''

تالیہ نے روشن دان کی جالی اتار کے نیچے پھینکی اور بلی کی طرح اندر گھس گئی۔ اندر لمبی سرنگ سی تھی۔ یہ وینٹ تھے اور ہوا کے لئے ساری عمارت میں پھیلے تھے۔ اتنے چوڑے کہ وہ اس میں سینے کے بل لیٹ کے' رینگ رینگ کے آگے بڑھ سکتی تھی....

نیچے داتن ابھی تک آگ لگاتی دکھائی دے رہی تھی...

''میں جس ملک کا خواب دیکھتا ہوں وہاں مجھے لوگوں کو یہ سکھانا ہے کہ مظلومیت اور کمزوری کو خود پہ طاری کرنا چھوڑ دیں۔ نکل آئیں اس مائینڈ سیٹ سے کہ دنیا نے ہم پہ ظلم ڈھا دیا۔ خاندان والوں نے ہمارے ساتھ برا کر دیا۔ دوستوں نے یوں دھوکہ دیا۔ ہم دکھی' ہم اداس۔ ہر وقت دوسروں سے ہمدردی مانگنا۔ یہ منفی رویے ہیں۔ ہمیں ان سے نکلنا ہوگا۔ مجھے بالکل ایسے لوگ اٹریکٹ نہیں کرتے جو چاہتے ہیں کہ لوگ ہر وقت ان کے غموں کی داستان سنتے رہیں۔''

داتن نے باتھ روم کا دروازہ کھولا تو دھواں باہر کو نکلا۔ وہ آگے آئی اور راہداری میں لگا فائر الارم کھینچ دیا۔ ساری عمارت الارم سے

گونج اٹھی۔ موٹی عورت تیز تیز آگے چلتی گئی۔ ہر ڈسٹ بن کے ساتھ رکتی... لائٹر سے آگ جلاتی اور آگے بڑھ جاتی.... سی سی ٹی وی وہ پہلے ہی جام کر چکی تھی...

''انسان بہت عظیم مخلوق ہے۔ اس میں بہت طاقت ہے۔ اسے تو ساری دنیا کو سنبھالنا ہے اور وہ اپنے آپ کو ہی نہیں سنبھال پائے' کتنے دکھ کی بات ہے! ہمیں اگر زندگی میں ''خوشی اور کامیابی'' حاصل کرنی ہے تو ہمیں ایک مثبت رویہ اپنانا ہوگا۔''

''اور مثبت رویہ کیسے اپنایا جاتا ہے آپ کی نظر میں؟''

وینٹ کے اندھیر سرنگ میں وہ کہنیاں گھسیٹ گھسیٹ کے آگے بڑھ رہی تھی۔ کندھے پہ چھوٹا بیگ بھی لاد رکھا تھا جس میں ضروری سامان تھا۔ ہر تھوڑی دیر بعد راستے میں کوئی جالی آتی اور وہ اس سے جھانکتی۔ نیچے آفسز کے کمرے نظر آتے جہاں ہڑ بونگ مچی تھی۔ لوگ فائر الارم سن کے چیزیں سمیٹ رہے تھے' باہر بھاگ رہے تھے.........

''مثبت رویہ ماضی کے دکھوں اور پچھتاووں سے نکلنے کا نام ہے۔ اگر آپ سے کچھ غلط سرزد ہوا ہے ماضی میں' اور سب سے ہی ہوتا ہے' تو اس پہ معافی مانگ کے اس سے سبق سیکھیں اور اس پہ ہر وقت کڑھنا چھوڑ دیں۔ آپ انسان ہیں' آپ سے ہر وقت سیدھا نہیں چلا جا سکتا۔ چند ایک بار اگر گر بھی گئے تھے آپ تو اس کو بھول جائیں اور آگے کا راستہ دیکھیں۔''

اشعر کے آفس کے عین اوپر وہ وینٹ میں رینگتے رینگتے پہنچ چکی تھی۔ اب اس کی کہنیوں تلے چوکور جالی تھی جس سے آفس نظر آ رہا تھا۔ اشعر چیزیں سمیٹتا اٹھ رہا تھا۔ باہر سے اس کو سیکرٹری بلا رہی تھی۔ فائر الارم مسلسل چنگھاڑ رہا تھا.....

''اور اگر آپ کو ماضی میں بڑے بڑے غم ملے ہیں تو ان کے پچھتاوے سے نکل آئیں۔ غلط فیصلوں پہ دکھی ہونا چھوڑ دیں۔ زندگی میں کوئی بھی چیز برا تجربہ نہیں ہوتی اگر آپ اس سے سبق سیکھ لیں۔ یہ ہوتی ہے مثبت اپروچ۔ جو برا ہوا ہے آپ کے ساتھ یا جو برا آپ نے کیا ہے..... دونوں سے سیکھنے کے پہلو نکالیں' سبق حاصل کریں اور ریلیکس ہو جائیں۔ پھر وہ تجربہ آپ کو غمگین نہیں کرے گا۔''

اشعر موبائل اور والٹ لئے باہر بھاگ گیا۔ دروازہ بند کر دیا۔ آفس تنہا رہ گیا۔ تالیہ نے وینٹ میں لیٹے لیٹے بیگ سے ایک آلہ نکالا اور بٹن دبایا۔ تھوڑی دیر لگی اور آفس کے دونوں سی سی ٹی وی کیمرے بجھ گئے۔ اس نے جالی اتاری اور نیچے کود گئی۔ عین اشعر کی میز پہ۔ چہرے کو وہ سیاہ ski ماسک سے ڈھانک چکی تھی......

''میں چاہتا ہوں میرے ملک کے لوگ دوسروں کو ہر وقت الزام دینا اور مظلوم بننا چھوڑ دیں۔ یہود و نصاریٰ نے ہمارے ملک کی ترقی روک رکھی ہے' کفار ہمارے خلاف سازشیں کر رہے ہیں' ان بے کار باتوں سے نکل آئیں۔ اگر کوئی قوم ترقی نہیں کرتی تو یہ اس کا اپنا قصور ہوتا ہے۔ لوگ تو ہر قوم کے خلاف سازشیں کرتے ہیں۔ تو پھر دوسری قوموں نے ترقی کیوں کر لی؟ یہ آئینہ دیکھنے کا وقت ہے۔ اپنی غلطیاں بحیثیت قوم مان لینے کا وقت ہے۔''

تالیہ مراد اب اشعر کے آفس کی میز کا ایک ایک دراز کھول کے چیک کر رہی تھی۔ ہاتھوں پہ دستانے چڑھا رکھے تھے۔

اللہ نے انسان میں بڑی طاقت رکھی ہے۔ کامیاب آدمی کون ہوتا ہے بھلا؟ وہ جو ماضی کے غم سے نکل آتا ہے اور مستقبل کے بڑے بڑے خواب دیکھتا ہے۔ ہمارے خواب اتنے بڑے اور انوکھے ہونے چاہئیں' جیفیری کہ وہ ہمیں ڈرائیں۔ پہلی دفعہ ان کو سوچ کے بھی خوف آئے۔ انسان صرف چھوٹے موٹے خوابوں کے لئے نہیں پیدا ہوا۔"

وہ اب دیواروں کی پینٹنگز ہٹا ہٹا کے دیکھ رہی تھی۔ 90 فیصد لوگ آفسز میں سیف کسی پینٹنگ کے پیچھے بناتے تھے۔ مگر پینٹنگز کے پیچھے کچھ بھی نہ تھا۔ سارے آفس میں کوئی سیف نہ تھا۔ وہ کمرے کے وسط میں کھڑی ہوئی اور آنکھیں بند کیں۔

اگر وہ اشعر محمود ہوتو وہ اس آفس میں سیف کہاں بنائے گی؟ سوچو تالیہ! انسان کی کمزوری وہ ہوتی ہے جس پہ وہ بھروسہ کرتا ہے۔ اشعر کس پہ بھروسہ کرتا ہے؟

"خوابوں کے لئے محنت کرنا پڑتی ہے۔ جان مارنی پڑتی ہے۔ لوگ مسئلوں کا آسان حل مانگتے ہیں' اور جب وہ نہ ملے تو وہ مایوس ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو victimhood بالکل نہیں پسند۔ ہمارے کچھ مسئلے ایسے ہوتے ہیں جن کو ٹھیک ہونے میں لمبا عرصہ لگنا ہوتا ہے' تو منفی لوگوں کی طرح اس عرصے کو مظلوم بن کے' اپنے دکھوں کی کہانیاں سنانے کے بجائے انسان کو آگے کے بارے میں اچھا سوچنا چاہیے۔ اسے اتنا مثبت بننا چاہیے کہ اس سے مثبت شعائیں پھوٹنے لگیں۔ وہ جہاں جائے' ان مثبت' خوشگوار روشنیوں کو بکھیرتا جائے۔"

آفس کے وسط میں کھڑی تالیہ نے آنکھیں کھولیں اور اب کے آفس کو دیکھا تو اس کی نظریں مختلف تھیں۔ (میں ایک آرکیٹیکٹ ہوں۔ مجھے اونچی عمارتیں بنانا اور بلندیوں سے دنیا کو دیکھنا اچھا لگتا ہے۔) وہ وکیل ہونے کے ساتھ ساتھ آرکیٹیکٹ بھی تھا۔ اس نے یہ آفس خود ڈیزائن کیا تھا۔

تالیہ نے دیکھا۔ دیوار پہ ایک بک شیلف نصب تھا۔ اس نے بتی بجھائی۔ بلائنڈز بند کیے۔ کمرہ اندھیر ہو گیا۔ پھر اس نے ننھی ٹارچ نکالی' جس میں نیلی روشنی سی تھی۔ اس نے وہ روشنی شیلف پہ پھینکی۔ اوپری قطار میں چوتھے نمبر پہ رکھی کتاب کے اوپر نیچے نشانات نظر آ رہے تھے۔ (یہ ٹارچ اندھیرے میں وہ نشان بھی دکھا دیتی ہے جو روشنی میں نظر نہیں آتے۔) تالیہ نے مسکرا کے بتی جلائی اور اس کتاب کو ذرا سا باہر کھینچا۔ بک شیلف میں گڑگڑاہٹ ہوئی اور وہ میکانکی انداز میں بائیں طرف کو سرکنے لگا......

"میں زندگی میں کبھی کسی چیز کو لے کر پچھتاتا یا گلٹ کا شکار نہیں ہوتا۔ جو غلطیاں کی ہیں زندگی میں' ان کا مجھے احساس ہے' مگر میں ہمیشہ حل ڈھونڈتا ہوں۔ بجائے خود کو لعنت ملامت کرنے کے' ہم ہر روز رات کو اگر یہ تسلیم کر لیں کہ ہم انسان ہیں' غلطیاں ہم سے ہو جاتی ہیں' کوئی بات نہیں' ہم اس سے سبق سیکھیں گے اور اگلے دن کو ایک نئے دن کے طور پہ گزاریں گے تو نیند اچھی آئے گی۔"

بک شیلف سامنے سے ہٹ چکا تھا اور پیچھے دیوار میں ایک سلور سیف نصب تھا۔ تالیہ نے کان میں لگا آلہ دبایا۔ "داتن۔ یہ

گلین ریڈر ہے۔بیس منٹ لگیں گے مجھے۔اشعر کے آفس اور راہداری کے درمیان مزید diversion کری ایٹ کرو۔آگ' دھواں کچھ بھی۔"

"تالیہ...جلدی کرو...وقت کم ہے دیوانی لڑکی!" داتن پریشانی سے کہہ رہی تھی......

"اور جتنے میرے ساتھ زندگی میں حادثے ہوئے' میں ان کو بھی ایک تجربہ سمجھتا ہوں۔میری بیٹی آریانہ....سب جانتے ہیں کہ وہ کھوگئی....سب جانتے ہیں کہ اس کے پیچھے کس کا ہاتھ تھا۔میں چاہتا تو اس کا غم لے کر تارک الدنیا ہو جاتا....خود کو بلیم کرتا....دنیا بھر کو بلیم کرتا....مگر میں نے اس کو ایک تجربے کے طور پہ لیا۔اللہ کی چیز تھی' اللہ نے لے لی' لیکن کیا میں نے اس امانت کا شکر ادا کیا تھا؟ اور اب مجھے اپنے باقی دونوں بچوں کو کیسے پالنا ہے' ان کے لئے اللہ کا شکر گزار کیسے ہونا ہے' میں بس یہی سوچتا ہوں۔مثبت رویہ وہ دیکھنے کا نام ہے جو آپ کے پاس بچ گیا ہے اور منفی رویہ ہر وقت اس کو سوچنے کا نام ہے جو کھو گیا ہے۔"

وہ کانوں میں ہیڈ فون لگائے سیف کے سامنے کھڑی مختلف سمتوں میں اس کا پہیہ گھما رہی تھی۔ماسک تلے چہرے پہ پسینہ آرہا تھا۔وہ آوازیں سن رہی تھی۔کس حرکت پہ کہاں کلک ہوتا تھا۔سیف کا دھات دھیرے دھیرے اسے راز بتا رہا تھا۔ساتھ ہی وہ کاغذ پہ مختلف نمبرز لکھتی جا رہی تھی۔جسم پسینے میں نہایا ہوا تھا۔

"مجھے اپنے ملک کے لوگ مایوس اچھے نہیں لگتے۔میں چاہتا ہوں کہ وہ مثبت بنیں۔پر امید۔اونچے خواب رکھنے والے۔وسیع سوچ رکھنے والے۔میں چاہتا ہوں لوگ شکر گزار بنیں۔جو ہے اس کی قدر کریں۔جو نہیں ہے' اس کو زیادہ نہ سوچا کریں۔"

واضح کلک کی آواز آئی۔تالیہ نے گہری سانس لے کر پہیہ گھمایا تو دروازہ کھل گیا۔

اندر سامنے سامنے نیلے فولڈر والی فائل رکھی تھی۔اس نے فولڈر نکالا' صفحے پلٹائے' تصدیق کی۔پھر اپنے بیگ سے چند صفحے نکال کے فائل کے اندر لگائے' اور اصلی صفحات بیگ میں ڈال دیے۔

"قومیں وہی ترقی کرتی ہیں جو اونچے خواب دیکھتی ہیں' اور یاد رکھنا جیفری۔اگر آپ کو آپ کا خواب ڈراتا نہیں ہے' تو وہ بڑا خواب ہے ہی نہیں۔"

باتھ روم کے روشن دان سے وہ نیچے اتری۔وہاں دھواں بھرا تھا' مگر دروازہ کھلا تھا۔اس نے ماسک اتارا۔بال کھولے۔گلابی شرٹ سیاہ لباس کے اوپر پہنی۔ہیٹ سر پہ لیا' جوتے تبدیل کیے اور تیزی سے باہر کو دوڑی۔دھوئیں کے باعث کھانسی آنے لگی تھی۔فائر الارم ہنوز بج رہا تھا۔فائر بریگیڈ کا عملہ عمارت میں داخل ہو چکا تھا......

"اگر ہم دنیا کو بدلنا چاہتے ہیں تو ہمیں اپنا رویہ بدلنا ہوگا' اور ہم دیکھیں گے کہ دنیا خود بخود بدلنے لگی ہے۔یہ سوچ اور وژن کی تبدیلی ہے جو میں ایک بہتر ملائیشیاء میں دیکھنا چاہتا ہوں۔" اسٹوڈیو میں بیٹھا شخص مسکرا کے کہہ رہا تھا۔اس کے چہرے سے روشنی پھوٹ

رہی تھی اور اینکر سمیت سب محویت سے اسے سن رہے تھے۔

''تھینک یو وان فاتح آپ کے وقت کے لئے۔'' اینکر نے کہہ کے کیمرے کی طرف رخ پھیرا۔ ''ناظرین' مجھے امید ہے کہ آپ نے بھی میری طرح بہت کچھ سیکھا ہوگا اور....'' انٹرویو ختم ہو چکا تھا۔

فاتح اب اپنی شرٹ پہ لگا مائیک اتار رہا تھا۔ اس کی مسکراہٹ سمٹ چکی تھی۔ ذہن میں حالم اور فائل کا خیال بار بار آ رہا تھا۔

☆......☆......☆

کوالالمپور پہ رات اتر رہی تھی۔ اونچی عمارتیں بتیوں سے جگمگانے لگی تھی۔ ایسے میں تکون شیشوں سے ڈھکی عمارت کے ایک فلور پہ جہاں باریسن نیشنل کا آفس تھا' وان فاتح لفٹ سے اتر رہا تھا۔ عثمان اور گارڈز ہمراہ تھے۔ آفس کیبن روشن تھے اور ورکرز کام کرتے دکھائی دے رہے تھے۔

اس کو دیکھتے ہی بہت سی گردنیں مڑیں۔ لوگ کھڑے ہوئے۔ سلام' دعا۔ وہ اتنے سالوں سے اس سلیبریٹی پروٹوکول کا عادی تھا۔ سب کو مسکرا کے جواب دیتا آفس کی جانب آ گیا۔ ابھی دروازے کے قریب ہی تھا کہ جانے کس سمت سے ایک کیپ والا لڑکا نکل آیا۔ وہ پیروں میں پہیوں والے جوتے پہنے' مرمریں فرش پہ گویا skate کرتا تیزی سے سامنے آیا تھا۔ (ایسے میسینجر لڑکے اکثر پہیوں والے جوتے پہنے راہداریوں میں زن سے گزرتے دکھائی دیتے تھے۔)

''وان فاتح۔ کوریئر۔'' ایک پیکج اس کی طرف بڑھایا اور ٹیبلیٹ اسکرین آگے کی۔ فاتح ہلکا سا مسکرا دیا اور ٹیبلیٹ اسکرین پہ انگوٹھا رکھ دیا۔ وہ جانتا تھا یہ کس کی طرف سے ہوگا۔

آفس میں آتے ہی اس نے دروازہ بند کیا اور سیٹ پہ بیٹھتے ہوئے پیکج کھولا۔ اندر کاغذات رکھے تھے۔ ترتیب سے۔ وہ جیسے جیسے صفحات پلٹتا گیا' آنکھوں میں خوشگوار حیرت بھرتی گئی۔ اسی اثناء میں فون بجا تو وہ چونکا۔ پھر نمبر دیکھ کے مسکرایا۔

''تمہارا میجک شو کامیاب رہا' حالم۔''

''کیا آپ متاثر ہوئے؟''

''بہت زیادہ۔ مگر ہر میجک شو کے بعد حاضرین کرتب کا راز جاننا چاہتے ہیں۔''

''مگر کیا آپ نے کسی جادوگر کو اسٹیج پہ کھڑے ہو کر اپنے راز بتاتے دیکھا ہے؟''

''بیک اسٹیج تو بتایا جا سکتا ہے نا!''

''آپ کیا جاننا چاہتے ہیں؟''

''یہ تم نے کہاں سے لئے؟''

''اشعر محمود کے آفس کے سیف سے۔ میں نے چند ردی کاغذ فائل کے اندر رکھ دیے ہیں' تا کہ ان کو فوراً شک نہ پڑے۔ اب آپ ان کاغذات کی حفاظت کیجیے گا۔''

''تم نے مجھے عثمان کے سامنے یہ سب کہنے کا کہا' تمہارے خیال میں وہ اشعر کے لئے کام کرتا ہے۔''

''آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ وہ اشعر کے لئے کام کرتا ہے' اگر میں اتنے کم عرصے میں جان گیا ہوں تو آپ کیوں نہیں جانتے ہوں گے بھلا؟'' حالم لمحے بھر کو بھی نہیں چوک رہا تھا۔ ترنت جوابات دے رہا تھا۔

فاتح ہلکا سا ہنس دیا۔ ''یہاں کوئی کسی کا وفادار نہیں ہوتا' ہمیں صرف کام نکلوانا ہوتا ہے۔ کسی اور کو رکھوں تو وہ بھی بِک جائے گا۔''

''وفاداری آج بھی اپنا وجود رکھتی ہے وان فاتح۔ کچھ لوگ وفاداری کے ایسے وعدے کر لیتے ہیں کہ اس کے لئے آگ میں بھی کود پڑتے ہیں۔ خیر....'' حالم نے گہری سانس لی۔ ''آپ کا کام ہو گیا۔ مجھے اجازت؟''

''اور تمہاری فیس؟''

''میں نے یہ فیس کے لئے نہیں کیا۔ سیاستدانوں سے کون پاگل پیسے لے گا؟ سیاستدانوں سے تو فیورز مانگے جاتے ہیں۔ آپ اب میرے مقروض ہیں۔ کبھی کوئی کام لے کر آؤں تو کر دیجیے گا۔ وہی میری فیس ہو گی۔''

فاتح نے ٹیک لگا لی اور فون کان سے لگائے مسکرا کے اس کو سنے گیا۔

''کبھی مجھ سے ملنے آؤ' حالم۔''

''میں آپ کی توقعات کے برعکس ہوں' سر۔ ایسی خواہش نہ کریں تو اچھا ہو گا۔'' اس کی آواز میں اداسی گھل گئی۔

''ہوں... ویسے حالم کا کیا مطلب ہوا؟''

''خواب دیکھنے والا۔''

فاتح کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔ وہ محظوظ ہو رہا تھا۔ ''یعنی کہ visionary!'' پھر جیسے یاد آیا۔ ''تم نے بتایا نہیں' یہ کام کس کا تھا؟''

چند لمحے کو خاموشی چھا گئی۔ ''آپ چور کا نام جاننا چاہتے ہیں؟'' حالم نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''اور میں یہ جانے بغیر فون نہیں رکھوں گا۔ میری ہٹ دھرمی سے سارا ملائیشیا واقف ہے۔''

''تو پھر سنیے۔ آپ کے گھر چوری.... (وقفہ دیا).... تالیہ مراد نامی لڑکی نے کی تھی۔ وہ کوئی سوشلائیٹ ہے اور جس کا آپ کے گھر کچھ دنوں سے آنا جانا ہے۔''

فاتح نے تلخ مسکراہٹ کے ساتھ سر اثبات میں ہلایا۔ ''یعنی میرا شک درست تھا۔ گڈ جاب' حالم۔''

''میں آپ کے لئے حاضر ہوں' وان فاتح۔ جہاں آپ کہیں' جب آپ کہیں۔'' اور کلک کے ساتھ فون بند ہو گیا۔ فاتح نے

خوشگوار مسکراہٹ کے ساتھ فون پرے ڈالا اور صفحات اٹھا کے پھر سے دیکھنے لگا۔ سارے دن کی کلفت دور ہو گئی تھی۔

تکون عمارت کے باہر...اندھیر پارکنگ میں وہ دونوں موجود تھیں۔ تالیہ کار کی ڈرائیونگ سیٹ پہ بیٹھی فون کان سے ہٹا رہی تھی اور داتن ہکا بکا اسے دیکھ رہی تھی۔ اسے دھچکا لگا تھا۔

''یہ بکواس کرنے کی کیا ضرورت تھی کہ تالیہ مراد چور ہے؟ تم ایسا کیسے کرسکتی ہو اپنے ساتھ؟''

''تو کیا کہتی؟'' وہ اداسی سے داتن کو دیکھ کے بولی۔ ''آپ کی بیوی چور ہے؟''

''ہمارے پاس ویڈیو ہے عصرہ کی۔''

''داتن' وہ کسی پہ بھی اعتبار نہیں کرتے۔ ان کا کوئی دوست نہیں۔ وہ کسی سے جلدی متاثر نہیں ہوتے۔ مگر انہوں نے حالم کو تھینکس تک نہیں کہا کیونکہ وہ صرف اجنبیوں کو شکریہ کہتے ہیں۔ وہ حالم کو اجنبی نہیں سمجھتے۔ حالم نے ان کا اعتماد جیتا ہے۔ مجھے ان کو وہی بتانا تھا جو وہ سننا چاہتے تھے۔''

''مگر تم نے اپنا امیج ہی کیوں خراب کیا؟'' داتن صدمے میں تھی۔

''میں نے ان سے سچ بولا ہے۔ تالیہ نے ان کے گھر چوری کی تھی۔ بریسلیٹ چرایا تھا نا۔ میں نے پہلی دفعہ کسی سے اتنا بڑا سچ بولا ہے۔ اور میرا امیج تو ان پہ پہلے ہی خراب ہے۔'' وہ تلخی سے کہہ کے کار اسٹارٹ کرنے لگی۔ داتن ابھی تک صدمے سے چور اس کو دیکھ رہی تھی۔

''تم نے آج اپنی جان خطرے میں ڈالی' تم نے آج اندھا دھند کھائی میں چھلانگ لگائی' میں نے تمہیں کبھی ایسا نہیں کرتے دیکھا تالیہ۔ ایسے مت کرو اس کے لئے۔ تمہارا دل بیمار پڑ گیا تو جسم کسی کام کا نہیں رہے گا۔''

''مجھے لگتا ہے میرا دل پہلے ہی بیمار پڑ چکا ہے' لیانہ صابری۔'' وہ بولی نہیں' بس دل میں کہا اور اسٹیئرنگ وہیل گھما دیا۔

کار آگے بڑھ گئی اور تکون عمارت پیچھے رات میں کھڑی رہ گئی۔

☆......☆......☆

وان فاتح کی رہائشگاہ کی بتیاں جگمگا رہی تھیں۔ رات دھیرے دھیرے سرک رہی تھی۔ ایسے میں فاتح کے کمرے میں آؤ تو وہ ڈریسنگ روم میں کھڑا دکھائی دیتا تھا۔ وارڈروب کے دونوں پٹ کھلے تھے اور وہ ہینگر سے کپڑے اتار رہا تھا۔ دو جوڑے لئے' اور کمرے میں واپس آیا جہاں بیڈ پہ ایک چھوٹا سفری بیگ کھلا پڑا تھا۔ پھر ایک دم ٹھٹکا۔

عصرہ سامنے کرسی پہ آبیٹھی تھی۔ خاموش۔ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے۔ اسے دیکھ کے جبراً مسکرائی۔

''کہاں جا رہے ہو؟''

وہ آگے آیا اور بیگ میں کپڑے تہہ کر کے رکھنے لگا۔ ''ملاکہ۔ کل چھٹی ہے نا۔''

''کیوں جا رہے ہو؟'' اس کی آنکھوں کی پتلیاں سکڑیں۔

''سن باؤ (تین خزانوں) کے گھر کو بیچنے سے پہلے ایک آخری دن اس میں گزارنا چاہتا ہوں۔''

''ابھی کیسے بیچو گے؟ کاغذات تو ہیں ہی نہیں۔''

''کاغذات مل گئے ہیں۔'' وہ سر جھکائے بیگ میں سامان اڑس رہا تھا۔ عصرہ کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔

''کیا مطلب؟ کہاں سے ملے؟'' تیزی سے بولی۔

''مجھے غلط فہمی ہوگئی تھی۔ میں نے اوریجنل ڈاکومنٹس کہیں اور رکھے تھے۔ یہاں صرف کلرڈ کاپیز تھیں۔'' اس کی نگاہیں جھکی تھیں اور وہ شیو کا سامان ایک خانے میں ڈال رہا تھا۔

''واٹ؟'' وہ شل رہ گئی۔ ''تو جو کاغذات یہاں تھے.... جو تالیہ نے چرائے تمہارے بقول' وہ صرف فوٹو کاپی تھی؟''

''ہوں!'' اب ڈریسر مرر کی طرف بڑھ گیا۔ جھک کے دراز کھولا اور جرابیں نکالیں۔ وہ بالکل بے نیاز لگ رہا تھا۔

عصرہ چند لمحے اسے دیکھے گئی۔ پھر اس نے لب بھینچ لئے۔ بازو سینے پہ لپیٹ لئے۔ ''تو صبح سے اتنا ہنگامہ کیوں مچایا ہوا تھا؟''

''کیونکہ وہ کاغذات اہم تھے۔'' وہ جرابیں لے کر واپس آیا اوران کو بیگ میں ڈالا۔ ابھی تک عصرہ کو نہیں دیکھ رہا تھا۔

''اور میری نیلامی؟ میرے ڈونرز؟ وہ اہم نہیں تھے؟'' عصرہ کے اندر ابال سا اٹھنے لگا تھا۔ بے بسی.... غصہ.... فرسٹریشن.... وہ شدید کیفیات کا شکار تھی۔

''تم نے میری اس ڈونر کو بے عزت کیا جو کانگ ہو جیسے لوگوں کو مدعو کر رہی تھی' جس نے میرا پورٹریٹ بنایا' جو گھائل غزال خریدنے جا رہی ہے۔ میں پہلے دن سے تمہاری منت کر رہی ہوں کہ اس کے ساتھ سلوک اچھا رکھو' مجھے اس جیسے لوگوں کی ضرورت ہے مگر تم....!''

فاتح نے اکتا کے چہرہ اٹھایا۔ ''اس نے چوری تو بہر حال کی ہے' کاپیز ہی سہی۔''

''بس وان فاتح!'' عصرہ نے ہاتھ اٹھا کے سرخ چہرے کے ساتھ اسے روکا اور کھڑی ہوئی۔ ''کبھی وہ چور ہے تو کبھی میرا بھائی۔ اور کبھی کہتے ہو فائل کھوئی ہی نہیں۔ وہ آج میرے آفس آئی تھی اور وہ شدید دکھی تھی۔'' فاتح کے ابرو اکٹھے ہوئے۔

''اس نے بدتمیزی کی تمہارے ساتھ؟''

''یہ تمہارا مسئلہ نہیں ہے کہ اس نے کیا کیا۔ میں تمہارے ایک ایک معاملے میں تمہارا ساتھ دوں اور تم میرے کام کو خراب کرو۔ بس بہت ہو گیا۔ الیکشن لڑنا ہے' لڑو۔ ملاکہ والا گھر بیچنا ہے' بیچو۔ لیکن میرے دوستوں سے اب تم دور رہو گے۔ اتنے سالوں سے تمہارے جنون کے پیچھے ہم خوار ہو رہے ہیں۔ اب اور نہیں۔''

''تمہیں خوش ہونا چاہیے کہ کاغذات مل گئے ہیں' نہ کہ غصہ کرنا چاہیے۔'' وہ غور سے اسے دیکھ رہا تھا۔عصرہ کی آنکھیں سرخ انگارہ ہو رہی تھیں۔

''کس بات پہ خوش ہوں؟ میرے بھائی پہ الزام لگایا تم نے؟ میری ڈونر کو بے عزت کیا تم نے؟ اس فائل کے پیچھے جو کھوئی بھی نہیں تھی۔ایک بات میری سن لو فاتح۔اگر آئندہ تم نے میرے دوستوں کے ساتھ یہ کیا تو...'' وہ انگلی اٹھا کے کہہ رہی تھی کہ....

''ایک بات میری بھی سن لو عصرہ...اگر مجھے کبھی پتہ چلا کہ تم نے اس کام میں اپنے بھائی یا اس لڑکی کی مدد کی ہے' تو یاد رکھنا' اس کے بعد ہم اس موڑ پہ آ جائیں گے جہاں سے واپسی ممکن نہیں ہوگی۔'' وہ ٹھنڈے انداز میں بولا' ایسے کہ نگاہیں اس کے اندر تک جھانک رہی تھیں۔عصرہ نے انگلی گرا دی۔مگر وہ ٹھنڈی نہیں پڑی تھی۔غصے سے پیر پٹختی مڑی اور باہر نکل گئی۔

اسے پسینہ آ رہا تھا۔جسم تپ رہا تھا۔تیزی سے وہ کمرے میں واپس آئی۔دروازہ بند کیا۔پھر ڈریسنگ روم میں آئی۔یہاں کا بھی دروازہ مقفل کیا اور کپکپاتے ہاتھوں سے کال ملائی۔

''ایش....فاتح کہہ رہا ہے اسے فائل مل گئی ہے۔'' پیشانی چھوتی' وہ دبی آواز میں بولی تو شدید پریشان لگ رہی تھی۔

''ہاں کا کا....آبنگ نے یہی بات آگے پیچھے بھی دوسرے لوگوں کے سامنے بھی دہرائی ہے کہ اس کو کسی انویسٹی گیٹر نے فائل واپس لا دی ہے مگر ڈونٹ وری...فائل میرے پاس ہی ہے۔'' اس کی مطمئن آواز سنائی دی تھی۔

''نہیں۔میں فاتح کو جانتی ہوں۔وہ کہہ رہا ہے کہ اصل فائل کھوئی ہی نہیں تھی۔He is a terrible liar۔وہ جھوٹ بول رہا ہے مگر اس کی شکل پہ لکھا ہے کہ اس کو واقعی فائل مل گئی ہے۔''

''ریلیکس کا کا۔میں نے خود چیک کیا ہے' وہ میرے پاس ہی ہے۔''

''میں کیا کہہ رہی ہوں' اشعر' وہ فائل تمہارے نہیں' فاتح کے پاس ہے۔وہ اسے تم سے نکلوا چکا ہے۔شاید کسی انویسٹی گیٹر کے ذریعے۔وہ وان فاتح ہے۔ وہ کچھ بھی کر سکتا ہے۔اور اسے مجھ پہ بھی شک ہو رہا ہے۔''

''کا کا۔ہم صبح بات کریں گے۔میرے آفس میں پہلے ہی حالات خراب چل رہے ہیں۔میں سارے دن کا تھکا آیا ہوں۔'' وہ بے زار ہوا تو عصرہ کی تیوریاں چڑھ گئیں۔

''میں نے تمہارے لئے اتنا بڑا خطرہ مول لیا اور تمہیں پرواہ ہی نہیں ہے۔ٹھیک ہے۔اب تم الیکشن لڑو یا فاتح' مجھے پرواہ نہیں ہو گی۔میں صرف اپنا فائدہ نقصان دیکھوں گی جیسے تم لوگ دیکھتے ہو۔'' کہہ کے ٹھک سے فون بند کیا۔اشعر شاید وضاحت دے رہا تھا مگر اس نے نہیں سنا۔

پھر وہ گھومی تو ڈریسر مرر سامنے آیا۔وہ خاموش ڈریسنگ روم میں تنہا کھڑی تھی۔قدم قدم چلتی آئینے کے قریب آئی اور اپنا عکس

دیکھا۔انگلی کے پوروں سے آنکھوں کے کنارے کو چھوا۔

''آریانہ کے نقش بھی مجھ میں ملتے تھے۔ٹین ایج میں پہنچ کے وہ بھی ایسی ہی لگنے لگے گی۔آج کے دن وہ کھوئی تھی۔ چھے سال پہلے۔تیرہ سال کی ہوگئی ہوگی وہ۔'' چند لمحے وہ خود کو دیکھتی رہی' پھر مسکرائی' جیسے چہرے کو ریلیکس کرنے کی کوشش کی۔کریم اٹھائی اور نرمی سے چہرے پہ لگانے لگی۔جلد چمکنے لگی تو وہ دل سے مسکرائی اور فون اٹھالیا۔

اب وہ واپس کمرے میں آتے ہوئے آرام دہ انداز میں بات کررہی تھی۔

''کیسی ہو تالیہ؟''

''میں ٹھیک ہوں۔آپ کیسی ہیں' مسز عصرہ؟'' تالیہ کی سنجیدہ مگر نرم آواز سنائی دی۔عصرہ بڑی کرسی پہ بیٹھ گئی اور ٹانگ پہ ٹانگ جما لی' پھر بھورے بالوں کی ایک لِٹ انگلی پہ لپیٹتے ہوئے گویا ہوئی۔

''میں فاتح کی طرف سے معذرت کرنا چاہتی تھی۔وہ آج کل الیکشن کی وجہ سے ٹینس ہے۔جلد خفا ہو جاتا ہے۔جانے تمہیں کیا کیا کہہ بیٹھا۔''

''کوئی بات نہیں۔ان کو تو قوم دو چار قتل بھی معاف کردے گی۔'' تالیہ کی اداس ہنسی گونجی۔

''مگر میں مداوا کرنا چاہتی ہوں۔میں نہیں چاہتی کہ ایسی کوئی بھی بات ہمارے درمیان آئے۔'' عصرہ کی بادامی آنکھیں جیسے تانے بانے بنتی دکھائی دے رہی تھیں۔

''مداوا مت کہیں.... درخواست سمجھ لیں۔ایک چھوٹا سا کام آپ میرے لئے کرسکتی ہیں۔''

''شیور۔بتاؤ۔مجھے خوشی ہوگی۔'' اور پھر تالیہ کی بات سن کے اس کی مسکراہٹ گہری ہوتی گئی۔

''بالکل' تالیہ۔یہ میں کرسکتی ہوں۔اور کل ہی کرسکتی ہوں۔''

کھڑکی سے باہر حبس آلود رات دھیرے دھیرے گہری ہوتی جارہی تھی۔

☆......☆......☆

حالم کا اونچا بنگلہ رات کے اس پہر خاموش پڑا تھا۔تالیہ' داتن کو ڈراپ کرکے کار اندر لائی تو پورچ کی بتیاں بجھی ہوئی تھیں۔وہ کار سے نکلی' اور سوئچ بورڈ کی طرف آئی۔مگر ٹھٹک کے رک گئی۔سانس بھی روک لیا۔پھر ایک دم گھومی۔

وہ پورچ کے ستون کے ساتھ کھڑا تھا۔جیبوں میں ہاتھ ڈالے' مسکراتا ہوا۔سمیع۔

تالیہ کا دل بری طرح دھڑکا۔ایک نظر گیٹ کو دیکھا جو چار فٹ کا جنگلہ نما تھا۔کوئی بچہ بھی اس کو پھلانگ لے۔مگر پھر بھی یہ سمیع کی طرف سے ایک جراءت مندانہ قدم تھا۔وہ اس کے گھر کے گیٹ کے اندر تک پہنچ چکا تھا۔

''کیوں آئے ہو؟'' بھنویں اکٹھی کر کے وہ غصے سے بولی۔سمیع نے ایک ہاتھ جیب سے نکالا' اور چھوٹی سی کھچڑی داڑھی کھجائی۔

''تم سے ملاقات کا دل چاہ رہا تھا۔سارا دن تو تم بڑے لوگوں کے ساتھ گھومتی پھرتی ہو۔رات کو ہی فارغ ہو کے گھر آتی ہو۔''

''نکل جاؤ میرے گھر سے۔''اس نے بازو لمبا کر کے غصے سے گیٹ کی طرف اشارہ کیا۔رنگت گلابی پڑنے لگی۔ائیر پورٹ ....وہ بیگ....وہ تکلیف...سب ذہن میں تازہ ہو گیا۔ایک اس آدمی سے اسے ڈر لگتا تھا۔اس ڈر نے جیسے کبھی ساتھ چھوڑا ہی نہیں تھا۔

''یہ میرا اکاؤنٹ نمبر ہے۔''اس نے ایک پرچی تالیہ کی طرف بڑھائی۔تالیہ برہمی سے اسے گھورتی رہی۔پرچی نہیں تھامی تو سمیع نے اسے اس کی کار کی چھت پہ چپکا دیا۔وہ sticky نوٹ تھا۔فوراً چپک گیا۔

''تمہارے پاس دو دن ہیں۔کل اور پرسوں۔پھر میں وہ کروں گا جو تم سوچ بھی نہیں سکتیں۔اس لئے بہتر ہے کہ ان دو دنوں میں میرے وظیفے کی رقم کا تعین کرلو' میرا لائف ٹائم پلان تیار کردو اور اس اکاؤنٹ میں پہلی قسط بھجوا دو۔'' وہ چبا چبا کے کہہ رہا تھا۔''اگر دو دن تک مجھے رقم نہ ملی تو تمہارا یہ تاش کے پتوں کا گھر (انگلی سے اونچے بنگلے کی طرف اشارہ کیا) نیچے آن گرے گا۔''

گھنٹی بجی تو دونوں نے چونک کے دیکھا۔جنگلے نما گیٹ کے باہر نیم اندھیرے میں کھڑا ایڈم نظر آ رہا تھا۔سمیع نے کالر کھڑکا کے سیدھے کیے۔

''تمہارے مہمانوں کے سامنے تمہاری اصلیت کھولنے کا دل تو بہت چاہ رہا ہے مگر کیا کروں' مسلمان کی ایک زبان ہوتی ہے۔اور دو دن تک اس زبان کو میں بند رکھوں گا۔صرف دو دن ہیں تمہارے پاس' میڈم تالیہ۔''مسکراتی نظر اس پہ ڈالی اور گیٹ کی طرف چلا گیا۔البتہ باہر نکلتے ہوئے اس نے سر سے پیر تک ایڈم کو دیکھا ضرور تھا۔

''آجاؤ' ایڈم!'' خفا کھڑی تالیہ نے وہیں سے پکارا۔اس نے ابھی کچھ دیر پہلے ایڈم کے میسیج کا جواب دے کر اسے گھر آنے کا بولا تھا۔

ایڈم ایک ناپسندیدہ نظر اس آدمی پہ ڈالتا اندر آیا۔تالیہ اپنی جگہ سے نہیں ہلی۔وہیں کار کے ساتھ اندھیر پوچ میں کھڑی رہی۔بیگ کہنی پہ تھا اور بازو سینے پہ لپیٹ رکھے تھے۔

ایڈم ذرا فاصلے پہ رکا۔سادہ پینٹ شرٹ میں ملبوس' ذرا دبتی رنگت والا ایڈم آنکھوں میں الجھنیں لئے ہوئے تھا۔

''بولو۔کیوں آئے ہو؟'' وہ خفا اور اکتائی ہوئی لگتی تھی۔

''کیا یہ آدمی آپ کو تنگ کر رہا تھا؟''

''اس کی فکر مت کرو۔میں پولیس آفیسر ہوں' ان لوگوں سے نبٹ سکتی ہوں۔''

''یہی جاننے آیا ہوں۔آپ پولیس آفیسر ہیں واقعی یا نہیں؟'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کے ٹھنڈے انداز میں بولا تو تالیہ کے

ماتھے پہ بل پڑے۔اس نے ہتھیلی پھیلائی۔

''میرا سکہ؟''

''آپ نے تو کہا تھا' وہ سرکار کا ہے۔''

''مگر وہ واپس میرے ذریعے ہی جائے گا نا۔''

''نہیں چے تالیہ۔''اس نے غور سے تالیہ کا چہرہ دیکھتے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔''میں وہ آپ کو نہیں دے سکتا۔ مجھے آپ پہ اعتبار نہیں رہا۔'' تالیہ نے مٹھی نیچے گرا دی۔

''ایسا کیا کیا ہے میں نے جو تم مجھ پہ شک کر رہے ہو؟''

''آپ نے ابھی تک یقین دلانے کے لئے کچھ کیا ہی نہیں ہے۔''

''میں تمہیں ایک بونس آفر کر رہی تھی' ایڈم۔'' وہ جھلا کے حیرت سے بولی۔

''آپ مجھے لالچ دے رہی تھیں۔مگر میرا دل نہیں مانتا۔ مجھے لگتا ہے آپ شروع دن سے اس سکے کے پیچھے تھیں۔ میرا نہیں خیال وان فاتح آپ سے واقف ہیں ورنہ وہ گھر میں ہونے والی چوری کے بارے میں آپ سے سوال جواب کیوں کرتے؟''

تالیہ لمحے بھر کو خاموش ہوئی۔''وہ سب عصرہ اور اشعر کو دکھانے کے لئے تھا تا کہ اصل چور مطمئن رہے کہ فاتح کو اس پہ شک نہیں اور ہم اس کو پکڑ لیں!''

''یہ سب کہانیاں ہیں۔'' وہ نفی میں سر ہلا رہا تھا۔آنکھوں میں افسوس تھا۔''اگر آپ چاہتی ہیں کہ میں آپ کی مدد کروں تو آپ کو مجھ سے سچ بولنا ہوگا۔ سچ بولنے سے معاملہ ماضی کا حصہ بن جاتا ہے اور جھوٹ اسے مستقبل کا حصہ بنا دیتا ہے۔آپ کون ہیں۔آپ کا مقصد کیا ہے اور میں آپ کی مدد کر کے درست کروں گا یا نہیں' مجھے صرف سچ بتائیں چے تالیہ۔''

اندھیر پورچ میں کھڑی سنہرے بالوں والی لڑکی چند لمحے تندہی سے اسے دیکھتی رہی۔

''میرا نام تاشہ کمال ہے' اور میں ایک پولیس آفیسر ہوں۔اگر چاہتی تو پولیس بھیج کے وہ سکہ تم سے ری کور کر کے تمہیں چوری کے الزام میں جیل بھیج سکتی تھی مگر مجھے تم پہ ترس آیا اور میں نے سوچا کہ تمہیں بونس ملنا چاہیے۔ بہر حال کل تک سوچ لو۔کس طرح واپس کرنا ہے تم نے وہ سکہ 'یہ فیصلہ کر لو۔اس کے بعد ہم دونوں ساتھ کام نہیں کریں گے۔''

''یعنی آپ مجھے پورا سچ نہیں بتائیں گی۔'' ایڈم زخمی لہجے میں بولا اور پھر شکوہ کناں نظروں سے اسے دیکھتا قدم قدم پیچھے ہٹتا گیا۔

''اب میں سچائی کی تلاش خود کروں گا' چے تالیہ۔'' وہ پیچھے ہٹ رہا تھا اور تالیہ خاموشی سے اسے جاتے دیکھ رہی تھی۔

ایڈم چلا گیا اور وہ اسے روک بھی نہ سکی۔آج کے لئے بہت سچ بول چکی وہ۔اب مزید نہیں۔اسے ایڈم کا کوئی اور حل سوچنا پڑے گا۔

''وہ تمہارے خواب میں تمہارے ساتھ خزانہ ڈھونڈ رہا تھا۔اس کو خزانے کا راز بتا دو' تالیہ!'' دل میں کسی نے کہا مگر اس نے سختی سے دل کو جھڑکا۔

'میں خزانہ کسی کے ساتھ شیئر نہیں کروں گی۔ میں ایڈم کو سچ نہیں بتا سکتی۔ اسے لالچ آ گیا اور اس نے سارا خزانہ خود حاصل کرنے کا سوچ لیا تو؟ اونہوں۔خزانہ صرف میرا ہے۔میرے بابا اور میرے گاؤں والوں کا ہے۔''

رات تاریک ہوتی گئی اور وہ اپنے کمرے میں بیڈ پہ آلتی پالتی کیے بیٹھی سوچتی رہی۔ہاتھ میں سنہرا لاکٹ پکڑ رکھا تھا۔بار بار خود کو جھڑکتی۔اپنی ہی تردید کرتی۔سکہ اس کا تھا۔چابی اس کی تھی۔وہ اس کو شیئر نہیں کرے گی۔

مگر کیا واقعی چابی اس کی تھی؟اس نے سنہری لاکٹ کو دیکھا اور پھر اسے گردن میں پہنا۔پیچھے ہُک بند کرتے وقت وہ تیار تھی۔وہ اس کی یادوں کا پنجرہ تھا اور وہ اس میں کھو جانے کو تیار تھی....

منظر ایک دم بدلا....آنکھوں کے سامنے روشنی چھانے لگی۔آگ کی سی روشنی....جیسے بھڑکتے شعلے ہوں۔وہ مدھم ہوئے تو اس نے خود کو ایک چھوٹے سے کمرے میں پایا۔

مراد انگیٹھی کے پاس بیٹھا ہے....جھک کے وہ لوہے کے چمٹے سے دہکتی چابی انگاروں کے اوپر سے اٹھاتا ہے...وہ ہتھیلیوں پہ چہرہ گرائے' پنجوں کے بل اس کے پاس بیٹھی دلچسپی سے اس کی حرکات دیکھ رہی ہے....

چابی سنہری دہک رہی ہے....مراد اس کو احتیاط سے اٹھائے کھڑا ہوتا ہے پھر واپس ایک میز کی طرف آتا ہے...وہ بھی فوراً اٹھ کے پیچھے لپکتی ہے....

اب وہ دونوں میز کے مخالف سروں پہ کھڑے ہیں....درمیان میں ایک پیالہ ہے جس میں پانی جیسا کوئی مائع ہے...مراد کو پسینے آ رہے ہیں' وہ ایک ہاتھ سے پیشانی پونچھتا ہے' اور دوسرے سے....چمٹا پیالے کے اوپر لاتا ہے....پھر چابی اندر گراتا ہے....وہ ڈبکی کھاتی ہے اور ٹوٹ جاتی ہے....

تالیہ کے لب کھل جاتے ہیں....وہ ہراساں سی آنکھیں اٹھاتی ہے....

''بابا....یہ تو ٹوٹ گئی....''

''اس کو ٹوٹنا ہی تھا' تالیہ....پھر سے جڑنے کے لئے!''

''وہ کیسے؟''

''یہ چاند کی اکیسویں تک اس پانی میں پڑی رہے گی۔پھر اس کو نکال کے جوڑا جائے گا۔ابھی یہ اتنی گرم ہے کہ یہ میری روح تک کھا جائے گی۔'' وہ میز پہ دونوں ہاتھ رکھے' مسکرا کے اسے بتا رہا ہے۔وہ درمیانی عمر کا آدمی ہے۔دبلا پتلا' مگر چہرہ بے حد پرکشش ہے۔

سیاہ بال کندھوں تک آتے ہیں۔سر پہ رومال لپیٹ رکھا ہے۔زبوں حالی' غربت' کمرے کی ہر شے سے ٹپکتی ہے۔

''اور اسے کون جوڑے گا' بابا؟'' ننھی لڑکی کھوئے کھوئے انداز میں پوچھتی ہے....

''جو اس کا مالک ہوگا۔یعنی میں۔جو بھی اس کو ٹوٹنے کے بعد جوڑتا ہے' وہی چابی کا مالک ہوتا ہے۔یہ خزانے کی کنجی ہے تالیہ۔سوچو....اگر ہم خزانے کا قفل کھول لیں تو اپنے لوگوں کے لئے کیا کچھ نہیں کر سکتے....''

''جب ہمارے پاس خزانہ آجائے گا تو کیا آپ کا خاندان ہیں قبول کر لے گا' بابا؟ کیا وہ لوگ....''

مگر مراد کی آنکھوں میں سرخی ابھرتی ہے۔

''میں ان کا ذکر بھی نہیں سننا چاہتا' تالیہ۔وہ ظالم لوگ ہیں۔انہوں نے کیا کیا ظلم نہیں ڈھائے ہمارے گاؤں پہ؟ اب چلو یہاں سے۔اور سنو' تم اس کمرے میں میری اجازت کے بغیر نہیں آؤ گی۔'' وہ انگلی اٹھا کے تنبیہ کرتا ہے اور ننھی لڑکی جھٹ سر ہلا دیتی ہے....

بوجھ بڑھ گیا تھا.... یادیں بھاری ہو رہی تھیں....تالیہ نے کراہ کے لاکٹ نوچ ڈالا....

کوئی فلم سی بند ہوئی۔روشنی چھٹ گئی۔اس نے آنکھیں کھولیں۔

وہ اپنے بیڈروم میں بیٹھی تھی...تکیہ گود میں رکھے۔سب کچھ کتنا مختلف تھا اس کمرے اور اس کمرے میں....کچھ غلط تھا ادھر...کچھ عجیب سا....کچھ ایسا جو اس کا دماغ پکڑ نہیں پا رہا تھا....

کیا معلوم داتن درست کہہ رہی ہو اور....؟

اونہوں۔اس نے جھرجھری لے کر سر جھٹکا۔ایسا ناممکن ہے۔کبھی نہیں۔یہ موتی بھی نا!

وہ چت لیٹ گئی اور آنکھیں بند کر لیں۔

''کیا مطلب ہوا حالم کا؟''

''کبھی مجھ سے ملنے آؤ' حالم!''

ذہن میں کسی کا محظوظ لہجہ گونجا تو وہ بند آنکھوں سے مسکرائی۔ایک عجیب دن کا ودرے بہتر انجام ہوا تھا....

☆......☆......☆

اگلی صبح ابھی فجر قضا ہوئے زیادہ وقت نہیں گزرا تھا جب وان فاتح کی رہائشگاہ پہ صبح کے ہنگامے جاگ اٹھے۔

آسمان ابھی گہرا نیلا تھا اور پورچ میں بتیاں جلی تھیں۔ملازمہ کار میں اس کا بیگ رکھ رہی تھی اور وہ ساتھ کھڑا موبائل پہ کچھ ٹائپ کر رہا تھا۔نیلی جینز کے اوپر سفید ڈریس شرٹ پہنے' اس نے آستین کہنیوں تک موڑ رکھے تھے اور پاؤں میں جوگرز تھے۔ہمیشہ کی طرح ینگ اور فریش۔

پھر موبائل جیب میں ڈال کے ڈرائیور سے چابی مانگی۔ ''میں خود ڈرائیو کروں گا' تم گھر جاؤ۔''

''مگر سر... سیکیورٹی اسٹاف؟''

''کیا میں ایک دن کی چھٹی پہ نہیں جاسکتا؟'' ذرا سا مسکرا کے پوچھا اور ڈرائیونگ ڈور کھولا۔ ڈرائیور فکرمند سا ہوا۔

''سر دو گھنٹے کا سفر ہے.... آپ مجھے ڈرائیو کرنے دیں۔''

فاس سے پہلے کہ فاتح کچھ کہتا' اندر سے عصرہ آتی دکھائی دی۔ ساتھ ہی وہ دونوں بچوں کو باہر لا رہی تھی جو سوئے سوئے سے لگ رہے تھے مگر منہ دھلے اور بال بنے ہوئے تھے۔ فاتح نے اچنبھے سے ابرو اٹھائے۔

''یہ کیا؟''

عصرہ نے مسکرا کے فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھولا۔ ''سن باؤ کے گھر میں آخری دن ہم سب کو ساتھ گزارنا چاہیے۔'' پھر ڈرائیور کو اشارہ کیا۔ ''تم پچھلی کار میں سیکیورٹی گارڈز کے ہمراہ آؤ گے۔ جاؤ۔'' پھر اس نے فاتح کو دیکھا جو ذرا حیران ہوا تھا۔ ''تمہیں اعتراض ہے کیا؟''

فاتح کے چہرے پہ مسکراہٹ رینگ گئی۔ ''بالکل نہیں۔ اس سے اچھی بات کیا ہوگی کہ ہم سب ایک ساتھ جائیں۔'' وہ خوش ہوا تھا۔ ''مگر میں ساری فوج کو ساتھ نہیں لے جانا چاہتا۔'' ابرو سے سیکیورٹی کی کار کی طرف اشارہ کیا۔

''وہ تمہارے لئے نہیں ہیں فاتح۔ وہ ہمارے بچوں کی حفاظت کے لئے ہیں۔ اور مجھے شاید جلدی واپس آنا پڑے دوپہر تک' تو مجھے الگ کار چاہیے ہوگی۔'' وہ سارے فیصلے کر چکی تھی۔ سن گلاسز آنکھوں پہ چڑھائے فرنٹ سیٹ پہ استحقاق سے بیٹھی تھی۔

وان فاتح نے سمجھ کے سر ہلا دیا اور بیلٹ پہنتے ہوئے گردن موڑی۔ پیچھے جولیانہ اور سکندر بیٹھے تھے۔ وہ مسکرایا۔

''آج میں تمہارے دادا کا گھر آخری دفعہ دیکھنے جا رہا ہوں۔ اور میں بہت خوش ہوں کہ تم لوگ میرے ساتھ ہو۔''

''ڈیڈ.... ہم وہ گھر کیوں بیچ رہے ہیں۔'' سکندر اداس سا ہوا۔ گیارہ سالہ خوبصورت بچہ جو اپنی عمر سے زیادہ ذہین لگتا تھا۔

''ہم کون سا وہاں رہتے ہیں سکندر؟'' جولیانہ نے ناک چڑائی اور کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔ اس کی آنکھوں میں نیند بھری تھی۔

''کتنے دنوں بعد ڈیڈ نے تمہارے لئے وقت نکالا ہے' کیا تم دونوں ان کو یونہی تنگ کرتے جاؤ گے؟'' عصرہ نے نرمی سے ٹوکا تو سکندر نے سمجھداری سے سر ہلایا۔

''میں تو ایسے ہی کہہ رہا تھا۔ ڈیڈ جو بھی کریں گے' صحیح کریں گے۔''

''ڈیڈ!'' جولیانہ نے ابرو اکٹھے کیے چہرہ واپس موڑا۔ ''اس گھر کو 'سن باؤ' (تین خزانوں) والا گھر کیوں کہتے ہیں؟''

فاتح نے چابی اگنیشن میں گھمائی اور مسکرا کے اسٹیئرنگ وہیل پھیرا۔ ''یہ ایک دلچسپ کہانی ہے اور تمہیں پتہ ہے تمہارے ڈیڈ کو تمہیں کہانیاں سنانا کتنا اچھا لگتا ہے' ہوں؟'' وہ اب کار پیچھے موڑ رہا تھا۔

صبح کی سفیدی دور افق پہ پھیل رہی تھی اور کوالالمپور جاگنے لگا تھا۔

یہ ایڈم کی نوکری کا گیارہواں اور آخری دن تھا جو ساری دنیا کے لیے اسی رات بارہ بجے ختم ہو جانا تھا مگر ان تین انسانوں کے لئے وہ کبھی نہ ختم ہونے والا دن بننے جا رہا تھا....

☆......☆......☆

صبح کی سفیدی اب سنہرے پن میں تبدیل ہو چکی تھی۔ اشعر محمود کی آفس بلڈنگ کے ۳۵ فلورز مکمل طور پہ جاگ چکے تھے اور کام کے دھنی لوگ منہ اندھیرے ہی جاب پہ پہنچ چکے تھے۔

صبح اٹھنے والے....تازہ ذہن کے ساتھ کام کرنے والے....اپنی زندگیوں کے ایک ایک منٹ کو استعمال کرنے والے لوگ....کامیابیاں پھر ایسے ہی تو نہیں ملا کرتیں.... برکتیں ایسے ہی تو گھروں پہ نازل نہیں ہوتیں...رزق ایسے ہی تو نہیں بڑھ جاتا۔ صبح اٹھنے والوں اور سورج نکلنے کے بعد اٹھنے والوں میں اتنا ہی فرق تھا جتنا کامیابی اور ناکامی میں۔

اشعر محمود اپنے آفس میں کھڑا تھا۔ بک شیلف سامنے سے ہٹا تھا اور دیوار میں نصب سیف کھلا پڑا تھا۔ وہ اس کے سامنے کھڑے بھنویں بھینچے' فائل کے صفحے پلٹا رہا تھا۔ جیسے جیسے اگلا صفحہ سامنے آتا' اس کی رنگت تبدیل ہوتی گئی۔ آخر میں وہ مڑا اور پوری قوت سے فائل دیوار پہ دے ماری۔ صفحات ادھر ادھر بکھر گئے۔ خالی صفحات۔

ایک طرف ہاتھ باندھے کھڑا رملی کھنکھارا۔ ''سر....میں نے خود چیک کیا تھا۔ جب مسز عصرہ نے فائل دی تھی تو اس میں اصلی ڈاکومنٹس تھے۔''

''اب اس میں صرف بلینک پیپرز ہیں۔ عثان کی کال کے بعد میں نے صرف سیف کھول کے فائل کو دیکھا اور مطمئن ہو گیا کہ فائل پڑی ہے۔ اُف۔''

''کسی نے آگ کے دوران کل شاید کاغذات تبدیل کیے ہوں۔''

اشعر غصے سے اس کی طرف گھوما اور غرایا۔ ''سیف کی حالت دیکھو۔ ایک ضرب تک نہیں لگی اس پہ۔ کسی نے اسے کھولا تک نہیں۔ اندر زیورات ہیں' پیسے ہیں' ایک چیز بھی نہیں ہلی۔ تم نے پیپرز دیکھے ہی نہیں تھے شاید۔'' اس نے سر پکڑ لیا۔ ''میں نے بھی دیکھے بغیر اندر ڈال دیے۔ میں جلدی میں تھا۔ اُف۔''

''سر....کل مِس تالیہ بنتِ مراد بھی تو آئی تھیں۔'' رملی چونکا۔ اشعر نے گھور کے اسے دیکھا۔

''وہ سارا وقت میرے سامنے بیٹھی رہی تھی۔ اپنی غلطی اس کے سر مت ڈالو۔ یہ خالی دماغ کی سوشلائیٹس کو ایوننگ ڈریسز اور فیشن سے فرصت نہیں ملتی جو اس طرح کا کچھ سوچیں۔ نان سینس۔'' بے زاری سے کہہ کے وہ اپنی سیٹ تک آیا۔ رملی چپ ہو گیا۔

"وان فاتح صرف ایک صورت میں سرینڈر کرے گا اگر اس کے پاس الیکشن لڑنے کے لئے پیسے نہ ہوں۔" اشعر نے سیٹ کا رخ پیچھے شیشے کی دیوار کی جانب موڑ لیا جس کے پار اونچی اونچی عمارتیں اور نیچے سڑکوں پہ بہتا ٹریفک صاف دکھائی دے رہا تھا۔ صبح کی کرنیں عمارتوں کے اطراف سے نکل کے سیدھی اس طرف آ رہی تھیں۔

"ہمیں کسی بھی طرح وان فاتح کو پیسے کی طرف سے بےفکر نہیں ہونے دینا۔ وہ کسی سے قرضہ نہیں لے گا' نہ کاکا سے کچھ مانگے گا۔ یہ گھر کروڑوں کی مالیت کا ہے۔ یہ گھر نہیں بکنا چاہیے۔" پھر اس نے کرسی واپس موڑی۔ اب چہرے سے غصہ چھٹ چکا تھا اور اس کی جگہ گہری سوچ نے لے لی تھی۔

'مارکیٹ میں یہ خبر مشہور کر دو کہ وہ گھر haunted ہے۔ چونکہ وہ سن باؤ سے تعلق رکھتا ہے تو اس کے خریداروں چینی زیادہ دلچسپی لیں گے۔ سن باؤ چینی مسلمان تھا۔ سو کسی ایسے آسیب یا نحوست کا ذکر کرنا جو چینیوں کو متاثر کرتی ہو۔"

رملی کی آنکھیں چمکیں۔ "درست۔ ایسا ہی کرتا ہوں۔ مگر سر.... یہ چوری؟" اس نے سیف کی طرف اشارہ کیا۔

"میرا نہیں خیال کوئی چوری ہوئی ہے بہرحال' سی سی ٹی وی فوٹیج چیک کرو' ایک ایک فریم دیکھو۔ کوئی بھی مشتبہ شخص نظر آئے تو رپورٹ کرو۔" وہ سختی سے تنبیہہ کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ رملی نے جھٹ سر ہلایا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ اشعر نے اس کی پشت کو سوچتی نگاہوں سے دیکھا۔

"کیا رملی مجھے دھوکہ دے رہا ہے؟ کہیں یہ فاتح کے ساتھ تو نہیں مل گیا؟" اس کا ذہن دوسرے نہج پہ سوچ رہا تھا۔

یہ ایسی دنیا تھی جہاں سایے کا بھی اعتبار نہیں تھا۔

☆......☆......☆

سورج نکل آیا تھا۔ سڑک پہ ٹریفک رواں دواں تھی۔ آج چھٹی کا دن تھا اس لئے رش کم تھا۔ فاتح کی کار ملاکہ کے قریب ہی تھی۔ چند منٹ کا سفر ابھی باقی تھا۔

وہ سن گلاسز لگائے' کہنیوں تک آستین موڑے اسٹیئرنگ پہ ہاتھ رکھے ڈرائیو کر رہا تھا۔ کلائی میں پہنی بھوری گھڑی صاف نظر آ رہی تھی۔ منہ میں کچھ چبا بھی رہا تھا۔ عصرہ باہر بھاگتے درختوں اور اونچے نیچے سرسبز ٹیلوں کو دیکھ رہی تھی۔ دونوں بچے پیچھے بیٹھے اپنے اپنے آئی پیڈز پہ لگے تھے۔ غرض سفر خاموشی سے کٹ رہا تھا۔

تبھی فاتح نے بیک ویو مرر پہ نظر ڈالی تو سکندر کے اسکرین پہ جھکے چہرے پہ غصہ دیکھا۔ فاتح نے سن گلاسز اتار کے پرے رکھے اور آئینے میں پیچھے دیکھتے اسے پکارا۔ "سکندر.... کیا تم انٹرنیٹ پہ کسی سے بحث کر رہے ہو؟"

سکندر نے چونک کے سر اٹھایا۔ عصرہ نے بھی مڑ کے دیکھا۔

"گیم کھیل رہا تھا۔" سکندر نے خفت سے ٹیب نیچے کرلیا۔

"میں تمہارا باپ ہوں' سکندر۔ مجھے معلوم ہے تم کچھ پڑھ رہے تھے۔"

سکندر نے ناک سکوڑا۔ "اوکے۔ میں کچھ کمنٹس پڑھ رہا تھا۔ میرے بھی کچھ فیوریٹس ہیں' ڈیڈ اور مجھے برا لگتا ہے اگر لوگ ان کو برا کہیں۔" پھر اس کے چہرے پہ بے بسی بھرا غصہ در آیا۔

"ڈیڈ لوگ اتنے بدتمیز اور پاگل کیوں ہوتے ہیں؟ کسی مشہور انسان (ایک چور نظر باپ کے کندھے پہ ڈالی) جس کو وہ جانتے تک نہیں ہوتے' اس کے خلاف اتنے برے برے کمنٹس کیسے لکھ دیتے ہیں؟"

"کس کے بارے میں کیا لکھا ہے لوگوں نے؟" وہ سامنے دیکھتے ہوئے موڑ کاٹتے ہوئے مطمئن سا پوچھ رہا تھا۔

سکندر نے ایک نظر گود میں رکھی اسکرین پہ ڈالی جس پہ وان فاتح کا ٹوئیٹر کھلا پڑا تھا۔ فاتح نے صبح مارٹن لوتھر کنگ کا کوئی قول پوسٹ کیا تھا اور اس پہ ہزاروں کمنٹس آئے پڑے تھے۔ مثبت کمنٹس سکندر نے صرف پڑھ کے گزار دیے تھے مگر ہر منفی پہ اس کا دل دکھتا گیا تھا۔

'بکواس بند کرو' 'پہلے خود تو سیکھ لو' 'کرپٹ سیاستدان' 'ملک کو لوٹ کے کھا گئے ہو' 'تم سارے ملے ہوئے ہو' 'یہ وان فاتح حکومت میں آ کے وہی کرے گا جو صوفیہ رحمٰن کرتی آئی ہے۔ سب کرپٹ ہیں۔ آئی ہیٹ پالیٹکس۔'

سکندر نے چہرہ اٹھایا۔ باپ اس کے جواب کا منتظر تھا۔

'میرا ایک...ایک فیورٹ سیلیبریٹی ہے' اس کے سوشل میڈیا اکاؤنٹ پہ لوگ اس پہ تنقید کر رہے ہیں۔"

"اور اس سے تمہارا دل دکھ گیا؟"

"دُکھنا نہیں چاہیے کیا' ڈیڈ؟ لوگوں کو کیا پتہ کہ وہ آدمی کون ہے میرے لئے؟" اس کا گلا رندھ گیا۔ عصرہ نے اداسی سے سر جھٹکا۔ جولیانہ باہر دیکھتی رہی۔ سب جانتے تھے سکندر کس کی بات کر رہا تھا۔

"سکندر...." وہ ڈرائیو کرتے ہوئے....ونڈ اسکرین کے پار دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔ "جب رسول اللہ ﷺ پہ پہلی دفعہ وحی نازل ہوئی تھی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو جانتے ہو کیا حکم دیا تھا؟ کہ وہ دوسروں کو بھی نیکی کی طرف بلائیں۔ اور جانتے ہو تین سال تک آپ ﷺ نے دوسروں کو اچھے کام کرنے کا حکم کیسے دیا؟ خاموشی سے' privately۔ چھپ کے۔ کھلم کھلا علی الاعلان نہیں۔ صرف اپنوں کو بتایا اور وہ سب مانتے گئے کیونکہ وہ اپنے تھے۔ سمجھتے تھے۔ احترام کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کی سچائی سے واقف تھے۔"

سکندر ابھی تک اداسی سے اسے دیکھ رہا تھا جو نرمی سے کہے جا رہا تھا۔

"تین سال بعد رسول اللہ ﷺ نے کھلم کھلا لوگوں کو اسلام کی طرف بلانا شروع کیا۔ اور اسلام ہوتا کیا ہے؟ اچھے کاموں کی

طرف بلانا۔اور برے کاموں سے روکنا۔جب آپ ﷺ نے یہ کام شروع کیا تو لوگوں کے آئیڈیاز چیلنج ہوئے۔وہ جو اتنے عرصے سے جس طریقے پہ زندگی گزار رہے تھے' وہ طریقہ سوالیہ نشان بن گیا۔لوگ بپھر گئے۔دشمن بن گئے۔رسول ﷺ کو اذیت دینے لگے۔ابو لہب کی بیوی نعوذ باللہ آپ ﷺ کو 'مذمم' کہہ کے پکارنے لگی' یعنی کہ Condemned۔جس کی مذمت کی جائے مگر جب رسول اللہ ﷺ نے یہ نام سنا تو انہوں نے کیا فرمایا؟"

سکندر نے مدد کے لئے بہن کو دیکھا جو کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی' پھر واپس چہرہ موڑا۔"مجھے نہیں معلوم۔"

"آپ ﷺ نے فرمایا' مذمم تو میرا نام ہے ہی نہیں۔اس کا مطلب ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کی ساری باتوں کو اس طرح اگنور کر دیا کہ یہ جب مجھے جانتی ہی نہیں ہے تو یہ جو کہہ لے' یہ مجھے نہیں کہہ رہی' مجھے کیا فرق پڑتا ہے؟ اسی طرح بیٹے' جب بھی آپ کسی معاشرے میں reforms اور بہتری لانے کھڑے ہوتے ہو....ان کو بتاتے ہو کہ ان کا حکومت کرنے کا طریقہ یا ادارے چلانے کا طریقہ غلط ہے....جب آپ جھوٹے کو جھوٹا اور چور کو چور کہتے ہو...تو لوگوں کے آئیڈیاز چیلنج ہوتے ہیں۔لوگوں کو نہیں معلوم ہوتا کہ ان کو کس چیز کی ضرورت ہے حتیٰ کہ آپ ان کو ثابت کر کے نہ دکھا دیں۔مگر اس عرصے میں ایک طبقہ جس کے مفاد اسی پرانے سسٹم کے ساتھ ہیں' وہ بلبلا اٹھتا ہے۔یہ جو صحافی تمہارے اس فیورٹ سیلیبریٹی (سکندر نے پلکیں جھکا لیں) کے خلاف روز اخبار میں لکھتے ہیں' تمہیں کیا لگتا ہے' وہ اندر سے اپنے لکھے پہ خود بھی یقین رکھتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ان سب صحافیوں اور میڈیا والوں کو سب پتہ ہوتا ہے کہ کون اچھا ہے' کون کم اچھا ہے اور کون برا ہے مگر ان کے حکومت کے ساتھ مفادات ہوتے ہیں۔بیٹے کی نوکری' کاروباری ٹھیکے' سیاستدانوں سے دوستی ....عدالتوں میں کیسز....یہ انہی وجوہات کی بنا پہ اچھے کو برا بنا کے پیش کرتے ہیں۔سیاست میں یہ نہ دیکھا کرو کہ کیا کہا جا رہا ہے' یہ دیکھا کرو کہ کون کہہ رہا ہے۔"

"فاتح....تم سیاستدانوں کو انبیاؑ سے نہیں ملا سکتے۔" عصرہ نے قدرے خفگی سے ٹوکا تھا۔

"میں ملا بھی نہیں رہا' نہ ہی ملانا چاہیے۔لیکن انبیاء کی زندگیوں میں ہمارے لیے اسوہ حسنہ ہے۔مشکل میں کیا کرنا ہے' یہ ہم نے انہی کی زندگیوں سے تو سیکھنا ہے۔میں صرف یہ کہنے کی کوشش کر رہا ہوں کہ جب بھی آپ کسی معاشرے کی اصلاح کے لئے یا کوئی بھی بڑا کام کرنے نکلیں گے' تو لوگ آپ کا مذاق اڑائیں گے۔انبیاؑ کو بھی نہیں چھوڑا لوگوں نے تو ہم کیا ہیں اور تمہارا فیورٹ سیلیبریٹی کیا ہے۔لوگ ہمیں نہیں بتا سکتے کہ ہم نے زندگی کیسے گزارنی ہے۔اتنا لوگوں کی باتوں کا اثر نہ لیا کرو۔"

"مگر ڈیڈ....میرے اپنے فرینڈز فیس بک پہ جب میرے فیورٹ سیلیبریٹی کے خلاف کمنٹس کر رہے ہوتے ہیں تو میرا دل ان کا گلا مروڑ دینے کا چاہتا ہے۔"

"اور میرا دل چاہتا ہے میں ان سے دوستی ختم کر لوں۔" باہر دیکھتی جولیانہ اداسی سے بولی۔وہ دھیرے سے ہنس دیا۔

''بڑے ہو جاؤ سکندر....سیاستدانوں اور سیلیبریٹیز کے پیچھے آپس کی دوستیاں اور تعلقات نہیں خراب کیے جاتے۔لیڈر کو پتہ ہی نہیں ہوتا کہ کون کون ان کے لئے لڑ کے ناراض ہوا بیٹھا ہے۔اگر بحث کرنی ہے تو آئیڈیاز پہ کرو۔اپنے فیورٹ سیاستدانوں کو'انسان' سمجھ کے۔انبیاؑ کے بارے میں بھی لوگ یہی کہتے تھے کہ وہ فرشتے کیوں نہیں ہیں۔آج کے لیڈرز کے بارے میں بھی لوگ یہی چاہتے ہیں کہ وہ فرشتے ہوں۔تم اپنے لیڈر کو انسان قبول کرلو۔اس کی خامیوں اور خوبیوں کے ساتھ۔مگر اس کے جرائم کے ساتھ نہیں۔ذاتی خامیاں سب میں ہوتی ہیں لیکن اگر تمہیں معلوم ہو جائے کہ یہ سیاستدان اپنے ملک کے لوگوں کو اپنی چوری کی وجہ سے نقصان پہنچا چکا ہے' اور سیاستدان بس اسی طرح ہی نقصان پہنچا سکتا ہے نا' تو تم اس سیاستدان کو قبول مت کرو۔اس کو ڈیفینڈ مت کرو۔باقی تمہیں کوئی بھی پرفیکٹ نہیں ملے گا۔اگر تم اپنے لیڈر کو اس کی imperfections کے ساتھ قبول کرلو اور اس کو فرشتہ ثابت کرنے کی کوشش نہ کرو' تو تمہیں ہر وقت دوستوں سے لڑنے کی ضرورت نہیں ہوگی۔''

''مگر ڈیڈ....دوست جب برے کمنٹس دیں تو میرا دل دُکھتا ہے۔'' سکندر بضد تھا۔

''پھر اپنے دل کو مضبوط کرو اور ہر ایک سے یہ توقع رکھنا چھوڑ دو کہ وہ تمہاری بات سمجھے گا۔ہر بات ہر ایک کے لئے نہیں ہوتی۔جیسے شروع کے تین سال رسول اللہ ﷺ نے ہر ایک کو نصیحت نہیں کی' اس لئے تم بھی ہر ایک سے الجھنا چھوڑ دو۔کچھ وقت گزرتا ہے' معاشرے بدلتے ہیں' لوگ بدلتے ہیں اور خود ہی سمجھ جاتے ہیں کہ ان کے لیے کون سا لیڈر بہتر ہے اور جو نہیں سمجھتے وہ خود ہی پیچھے رہ جاتے ہیں۔''

''مگر ڈیڈ....''

''سکندر....اللہ الحق ہے....سچ کا خدا ہے۔اگر تمہارا فیورٹ سیلبریٹی سچا ہے تو اللہ ساری دنیا کو اس کی سچائی دکھا دے گا۔سچ اپنے آپ کو خود ثابت کر لیتا ہے۔لوگوں کی مخالفت کو وقار کے ساتھ اگنور کرنا ایک آرٹ ہے۔اس کو جو سیکھ لیتا ہے' اللہ اس کو عزت دیتا ہے۔''

وہ زور دے کر مگر نرمی سے کہہ رہا تھا۔سکندر نے سر ہلایا۔وہ اب بہتر محسوس کر رہا تھا مگر مطمئن بہر حال نہیں تھا۔مطمئن رہنا بھی شاید ایک آرٹ تھا۔

کار ملاکہ کی حدود میں داخل ہو چکی تھی۔ملاکہ ایک خوبصورت شہر تھا جو سمندر کنارے واقع تھا اور جہاں سیاحوں کی بہتات تھی۔تاریخی طرز کا شہر جو لوگ پیدل گھوم پھر کے دیکھا کرتے تھے۔بازار سے کار گزارتے ہوئے فاتح کے چہرے پہ مانوس مسکراہٹ بکھر گئی۔بالآخر وہ اس ٹھنڈی میٹھی سڑک پہ آ گئے تھے جہاں قطار میں ایک جیسے گھر بنے تھے جن کو رینوویٹ کر کے کافی شاپس اور ریستوران بنا دیا گیا تھا۔کبھی یہ چینی تاجروں کا مسکن ہوتے تھے۔اور یہ رہا اس کا گھر....اس نے کار سڑک کنارے پارک کی اور مسکراتے ہوئے بیلٹ کھولی' پھر باہر نکلا....

سامنے سڑک کے اوپر ایک گھر بنا تھا۔سرخ رنگ کا گھر (جیسے پرانے لاہور کی گلیوں میں قدیم ہندوستانی طرز کے گھر ہوتے ہیں

جن کی کھڑکیاں سڑک پہ کھلتی ہیں)۔ایسا ہی وہ دومنزلہ گھر تھا۔وہ سڑک سے ہی شروع ہوتا تھا۔نیچے دو کمروں کی کھڑکیاں' درمیان میں داخلی دروازہ۔فاتح نے گردن اٹھائی۔اوپر تین کمروں کی بالکونیاں بنی تھیں۔

خاموش پڑا خوبصورت گھر جس سے قدیم زمانوں کی مہک آتی تھی۔

''چلو آؤ....میں تم لوگوں کوسن باؤ کی کہانی سناتا ہوں۔'' وہ خوشگوار انداز میں کہتے ہوئے کار کی طرف مڑا جہاں بچے اور عصرہ باہر نکل رہے تھے مگر اگلے ہی لمحے فاتح کی مسکراہٹ غائب ہوگئی۔

چندفٹ کے فاصلے پہ ایک سلور کار پارک تھی اوراس کے بونٹ سے ٹیک لگائے وہ کھڑی تھی۔سر پہ سفید ہیٹ تر چھا رکھے' وہ مسکرا کے سینے پہ بازو لپیٹے ان کو دیکھ رہی تھی۔

''آنے کے لئے شکریہ' تالیہ۔'' عصرہ سیدھی اس کی طرف گئی اور مسکرا کے اس سے ہاتھ ملایا۔پھر واپس گھومی اور فاتحانہ مسکراتی نگاہوں سے فاتح کو دیکھا۔''تالیہ سن باؤ کا گھر دیکھنا چاہتی تھی تو میں نے اسے انوائیٹ کرلیا۔امید ہے اس بہانے ہم اپنے نیلامی کے پراجیکٹ پہ بھی بات کرلیں گے۔'' جتاتے انداز میں بات مکمل کی۔

وان فاتح نے لب بھینچ لئے۔ابرو برہمی سے اکٹھے ہوئے۔ایک خاموش' چبھتی ہوئی نظر اس لڑکی پہ ڈالی جو سادگی سے مسکرا رہی تھی' اور گھر کے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

اس کا سارا موڈ خراب ہو چکا تھا۔جانے وہ اتنی بری کیوں لگتی تھی؟

☆......☆......☆

کوالالمپور کے اس متوسط طبقے کے علاقے میں صبح سست سی طلوع ہوئی تھی۔کم از کم ایڈم کے لئے وہ سست ہی تھی۔وہ ڈھیلا ڈھیلا سا کچن میں کرسی پہ بیٹھا تھا۔ناشتہ میز پہ لگا تھا مگر وہ بمشکل چند لقمے زہر مار کر پایا تھا۔پھر پلیٹ پرے دھکیل دی۔

ماں سامنے کھڑی بغور اسے دیکھ رہی تھی۔''نوکری کے لئے پریشان ہو' ایڈم؟''

ایڈم نے افسردہ نگاہیں اٹھائیں۔''مجھے لگتا ہے میں ناکام انسان ہوں' ایبو۔''

''کیوں' ایڈم؟'' اس نے پیار سے پوچھا اور سامنے آبیٹھی۔اسکارف لپیٹے سادہ سی عورت جس کی چھوٹی سی دنیا تھی۔

''سب مجھے دھوکہ دے کر' ٹھکرا کے گزر جاتے ہیں۔کسی کی نظر میں میری اہمیت ہی نہیں ہے۔''

''اہمیت تو خود بنائی جاتی ہے۔''

''کیسے؟ ذہانت' مہارت' ٹیلنٹ' دولت وغیرہ سے؟'' وہ تلخی سے گویا ہوا۔

''نہیں۔اپنے قدرتی اعتماد اور مثبت سوچ سے۔جتنا تمہارے اندر سے مثبت شعائیں پھوٹیں گی' اتنا تم لوگوں میں محبوب ہوتے

جاؤ گے۔"

"اور مثبت شعائیں کیسے پھوٹتی ہیں' ماں؟"

"جب تم سچ بولو اور دوسروں سے توقعات لگانا چھوڑ دو۔ نہ روپے پیسے کی' نہ توجہ اور محبت کی۔ جو لوگوں کے پاس ہے' اس کا لالچ چھوڑ دو۔ لوگ تمہارے گرویدہ ہو جائیں گے۔ لوگوں کو اپنی محبت میں گرفتار کروانے کا ایک یہی کلیہ ہے۔"

"مجھے نہیں پتہ۔" اس نے اداسی سے سر جھکا لیا۔ "میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ ہر کوئی مجھے بے وقوف بنا کے آگے نہ بڑھ جایا کرے۔"

"کس نے بنایا ہے تمہیں بے وقوف؟"

"چے تالیہ نے۔ وہ مجھ سے جھوٹ بول رہی ہیں۔" وہ خفگی سے تیز تیز بولنے لگا۔ "وہ کبھی کچھ کہتی ہیں' کبھی کچھ۔ کبھی وہ مجھے اچھی لگتی ہے اور کبھی بالکل ناقابلِ اعتبار۔"

"اس نے اس دن بھری محفل میں تمہاری حمایت کی تھی۔"

"کہا نا' کبھی اچھی بھی لگتی ہے!" اس نے منہ بسورا۔

"تو بری کب اور کیوں لگتی ہے؟ کس بات نے تمہیں اس سے بدظن کیا؟"

ایڈم اس بات پہ چونکا۔ ذہن میں بجلی کی طرح کوئی خیال کوندا تھا۔ جیسے ایک پانی کی لہر سی آتی ہے اور سارے جالوں کو بہا لے جاتی ہے' پھر پیچھے ذہن بالکل صاف ہو جاتا ہے۔

اس ایک لمحے میں ایڈم پہ آشکار ہوا کہ وہ اسے ناقابلِ اعتبار کب سے لگنے لگی تھی۔

"پمبورو!" وہ بڑبڑایا۔ ماں نے ناسمجھی سے اسے دیکھا۔ "پمبورو کون؟"

"اُف ابیو۔ تم کتابیں نہیں پڑھتیں کیا؟" وہ تیزی سے اٹھا۔ رستے میں جو کرسی میز آئی' اس سے اس نے ٹھوکر کھائی مگر رکا نہیں۔ سیدھا کمرے کی طرف بھاگا۔ دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔

بیڈ کے نیچے سے ننھا صندوق باہر کھینچا اور کھولا۔ اندر سے دھول مٹی سانس میں آئی مگر اس نے ناک پہ ہاتھ رکھ لیا۔ اتنا پرجوش تھا کہ دمہ خراب ہونے کا ڈر بھی نہیں تھا۔ صندوق میں کتابیں بھری پڑی تھیں۔ وہ جلدی جلدی ان کو الٹ پلٹ کرتا گیا۔ یہاں تک کہ ایک موٹی تاریخی کتاب نکالی اور جلدی جلدی صفحے پلٹائے۔

وہ تاریخی داستانوں پہ مبنی تھی اور اس میں ایک چھوٹا سا باب پمبورو (شکار باز) نام کا تھا۔

مطلوبہ صفحہ کھولا تو ایڈم کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ سامنے بلیک اینڈ وائٹ میں اسی نشان کا اسکیچ بنا تھا جو اس نے کل بازار

میں تالیہ کی گردن کی پشت پہ دیکھا تھا۔ پمبو رو گروہ کا خاص گول نشان۔

اس نے جلدی جلدی اس صفحے کو پڑھا۔ وہ شکار بازوں کا ایک قدیم گروہ تھا جو کسی خزانے کے پیچھے تھے۔ ان کو خزانہ ملا یا نہیں' خزانہ کیا تھا' وہاں کچھ نہیں لکھا تھا' بس ایک چابی کا ذکر تھا اور ساتھ میں ایک مبہم سا اسکیچ بھی۔ گول سکے کی طرح کی چابی جس کے ایک کونے میں ڈلی جڑی تھی۔ مزید کوئی تفصیل اس تاریخی کتاب میں درج نہیں تھی۔ یقیناً اس موضوع پہ دوسری کتابیں بھی موجود ہوں گی مگر ایڈم کے پاس ان کو پڑھنے کا وقت نہیں تھا۔ ساری کہانی ذہن میں کھلتی جا رہی تھی۔

چابی کے دو حصے تھے۔ سکہ اور یہ لمبی سی ڈلی۔ سکہ اس کے پاس تھا۔ تالیہ مراد وہ سکہ حاصل کرنا چاہتی تھی تا کہ اس کی مدد سے خزانے کا قفل کھول سکے۔ خزانہ ملاکہ میں کہیں تھا کیونکہ شکار بازوں کا تعلق ملاکہ سے تھا۔

وہ کوئی پولیس آفیسر نہیں تھی۔ وہ صرف ایک ٹریژر ہنٹر تھی۔

وہ کتاب رکھ کے تیزی سے الماری کی طرف لپکا۔ اندر سے ڈبیا نکالی جس میں سکہ تھا۔

وہ ٹھنڈا پڑا تھا۔ سنہری دھات دمک رہا تھا' مگر آج اس میں کوئی ہندسے نہیں ابھرے تھے۔ اس نے سکہ الٹ پلٹ کے دیکھا۔ ایک کونے میں ننھا سا سوراخ تھا۔ یہیں سے ڈلی اندر جائے گی اور وہ چابی مکمل ہو جائے گی۔

اب مجھے کیا کرنا چاہیے؟ اگلا سوال زیادہ پریشان کن تھا۔ کوئی بھی خزانہ جو کسی بھی ملک کے کھنڈرات یا زمین کے نیچے سے نکلتا ہے' وہ سرکار کی امانت ہوتا ہے۔ یہ خزانہ ریاست کا تھا۔ وہ اسے تالیہ مراد کو نہیں لینے دے گا۔ اسے وان فاتح کو خبر کرنی ہوگی۔

اس نے جلدی سے ڈرائیور کا نمبر ملایا۔ وہ اس وقت بے چینی' فکرمندی اور جوش کے ملے جلے تاثرات کے زیرِ اثر تھا۔

''ہیلو؟ ہاں سنو۔ وان فاتح اس وقت کہاں ہیں؟ آفس یا گھر؟''

''ہم تو ملاکہ میں ہیں' ایڈم۔ فاتح صاحب کے پرانے گھر۔''

''اوہ۔'' ایڈم کا جوش ٹھنڈا ہوا۔ ''کب تک آ جاؤ گے واپس؟''

''شاید شام تک۔ معلوم نہیں۔''

''اچھا سنو.....وہ تالیہ مراد صاحبہ.....وہ دوبارہ تو گھر نہیں آئیں؟ اور چوری کا کچھ پتہ چلا؟''

''اس گھر تو نہیں' مگر ادھر ملاکہ میں وہ صاحب اور بیگم صاحبہ کے ساتھ ہی ہیں۔ وہ لوگ اندر گھر دیکھ رہے ہیں۔ تم کیوں پوچھ رہے ہو؟''

ایڈم کرنٹ کھا کے جگہ سے اٹھا۔ ''چ تالیہ صاحب کے ساتھ ملاکہ میں ہیں؟'' پھر اسے یاد آیا۔ کتنی دفعہ کا سن رکھا نام۔ ''سن باؤ کے گھر میں؟'' بے یقینی سے پوچھا۔

''ہاں مگر تم کیوں....''

لیکن ایڈم نے فون کاٹ دیا۔ دماغ کے چودہ طبق روشن ہو گئے تھے۔ سن باؤ کا گھر...تین خزانوں والا گھر....کیا چے تالیہ وہاں خزانے کی تلاش میں گئی ہیں؟ کیا یہ ممکن تھا کہ خزانہ اسی گھر میں چھپا ہو؟ اوہ نو....اسے وان فاتح کو بتانا تھا۔

اس نے جلدی سے الماری کھولی' جو جوڑا ہاتھ آیا' کھینچ نکالا اور باتھ روم کی طرف بھاگا۔

آدھے گھنٹے بعد ایڈم ملاکہ جانے والی ایک بس میں سوار ہو رہا تھا۔ سکہ اس کے لباس کی اندرونی جیب میں محفوظ رکھا تھا۔

☆......☆......☆

وہ کوالالمپور کی ایک خوبصورت سوسائٹی تھی۔ ایک طرف مکان قطار سے بنے تھے اور ان کے آگے سڑک پہ ٹریفک بہہ رہا تھا۔ ایسے میں ایک گھر کا دروازہ لاک کر کے سمیع باہر نکلا' اور سڑک کنارے چلنے لگا۔ ٹراؤزر پہ رف سی شرٹ پہنے' وہ منہ میں کچھ چباتا' چھٹی والے دن گروسری لانے والے مردوں میں سے ایک لگ رہا تھا۔

اسے قریبی گروسری اسٹور پہ جانا تھا۔ جیسے ہی اسٹور سامنے آیا وہ اس کے دروازے کے قریب آیا مگر..راستے میں کوئی رکاوٹ کی طرح حائل ہوا تھا۔ یا شاید کسی پہاڑ کی طرح۔

وہ سیاہ کھلے بلاؤز اسکرٹ والی موٹی سی عورت تھی۔ سیاہ رنگت' اور گھنگریالے کندھوں تک آتے سیاہ بال۔ وہ اس کو گھورے جا رہی تھی۔ پرتپش تیز نگاہوں سے۔

سمیع کی پیشانی پہ بل پڑے۔ ''کیا ہے؟ ہٹو سامنے سے۔''

''تالیہ کا پیچھا چھوڑ دو۔'' وہ ٹھہر ٹھہر کے بولی۔ آنکھوں کی تپش کی نسبت الفاظ ٹھنڈے تھے۔

سمیع کے دونوں ابرو استہزائیہ انداز میں اٹھے اور لب مسکراہٹ میں ڈھلتے گئے۔

''اوہ...تو تمہیں تالیہ نے بھیجا ہے۔''

''میں کہہ رہی ہوں' اس کا پیچھا چھوڑ دو۔ وہ میری حفاظت میں ہے۔''

سمیع چند لمحے اسے دیکھتا رہا' پھر زور سے ہنس دیا۔ داتن اسی طرح اسے گھورے گئی۔

''تو تالیہ نے اپنی باڈی گارڈ بھیجی ہے اور کیا ہی اعلیٰ باڈی گارڈ بھیجی ہے۔ واہ۔ اپنی جان بچانے کے لئے دو کوس تک تو تم سے بھاگا نہیں جائے گا بی بی اور تم آئی ہو مجھے دھمکانے۔ واہ۔'' وہ ہنستے ہوئے سر جھٹک رہا تھا۔

''تالیہ میری بیٹی ہے۔ اور بہن بھی۔ اور دوست بھی۔ کبھی کبھی وہ میری ماں بھی بن جاتی ہے۔ وہ میرے لئے ایسی ہے کہ میں اس کے نزدیک تم جیسے کچرے کو برداشت نہیں کر سکتی۔ اس لئے تمہیں مجھ سے ڈرنا چاہیے' اور اس سے دور رہنا چاہیے کیونکہ میں ایک بہت

خطرناک عورت ہوں۔"

سمیع نے طنزیہ مسکراتے ہوئے اسے اوپر سے نیچے تک دیکھا۔"اور تم کیا کرو گی؟"

"میں تمہارا سانس بھی روک سکتی ہوں' سمیع!" وہ اسی طرح اس کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔ مگر سمیع نہیں ڈرا۔ اس موٹی عورت سے کون ڈر سکتا تھا جو ایک ہاتھ میں چاکلیٹیس اور رنگ برنگے چپس کے پیکٹ اٹھائے ہوئے کھڑی تھی۔ اُف۔ بے چاری۔

"اگر تمہاری جگہ کوئی مرد ہوتا تو میں اس کو ہاتھوں کی زبان میں سمجھاتا' لیکن تم عورت ہو' اور بے شک دو تین عورتوں کے برابر ہو' لیکن مجھے تم پہ ترس آ گیا ہے۔ سو.... تمہارے لئے.... اتنا ہی کافی ہے...." کہہ کے وہ گھوما اور سڑک سے گزرتی پولیس کی کار کو اشارہ کرتے ہوئے چلایا۔"آفیسر... آفیسر۔" یہاں جگہ جگہ پولیس کی پٹرول کارز گھوم رہی ہوتی تھیں۔ پولیس اہلکار نے فوراً کار روکی اور اپنا پستول نکالتا باہر نکلا۔

"کیا ہوا' سر؟" باوردی آفیسر تیزی سے اس کی طرف آ رہا تھا۔ سمیع نے خاموش کھڑی داتن کا بازو کہنی سے پکڑ لیا' اور چہرے پہ بے پناہ پریشانی طاری کر لی۔

"یہ عورت میرا بٹوہ چرا رہی تھی' پلیز اس کی تلاشی لیں' یہ...." دکھی اور پریشان انداز میں اس نے بات شروع ہی کی تھی کہ....

"مسز لیانہ.... آپ...." آفیسر پستول ہاتھ میں لئے قریب آیا اور لیانہ کا چہرہ دیکھ کے خوشگوار حیرت سے مسکرایا۔"کیسی ہیں آپ؟" پھر سمیع کی طرف دیکھا۔"سب ٹھیک ہے' میم؟"

سمیع کے الفاظ منہ میں رہ گئے تھے۔ اس نے رک کے باری باری دونوں کے چہروں کو دیکھا۔ موٹی عورت بالآخر مسکرائی۔ اور نرمی سے اپنی کہنی چھڑائی۔

"ہاں.... سب ٹھیک ہے.... یہ ہمارا دوست ہے.... سمیع.... سامنے والی اسٹریٹ میں مکان نمبر 26 اے میں رہتا ہے۔ تم آتے جاتے اس کو دیکھنا تو اس کا خیال رکھنا' ہوں۔"

"ہاں شیور۔ کوئی مسئلہ نہیں۔ پرسوں زید کی برتھ ڈے پہ آ رہی ہیں نا آپ؟" وہ مسکرا کے ادب سے پوچھ رہا تھا۔

"تمہارے بیٹے کی سالگرہ ہو اور میں نہ آؤں' ایسا ہو سکتا ہے' فیاض؟" وہ ہاتھ جھلا کے بولی تو آفیسر ہلکا سا ہنس دیا' پھر خوش اخلاقی سے دونوں کو سلام کیا اور گن ہولسٹر میں اڑستا' کار کی طرف بڑھ گیا۔

داتن اب فرصت سے سمیع کی طرف گھومی جس کے چہرے کے تاثرات بدل چکے تھے۔ وہ قدرے شل' قدرے چوکنا لگتا تھا۔

"اب میں دوبارہ وہ تمام الفاظ دہراؤں گی جو میں نے ابھی کہے۔ لیکن امید ہے اس دفعہ تم ان کو غور سے سنو گے۔" وہ اس کو گھورتے چبا چبا کے بولنے لگی۔

"تالیہ کا پیچھا چھوڑ دو۔ میں کہہ رہی ہوں سمیع.... اس کا.... پیچھا چھوڑ دو۔" وہ ایک ایک قدم آگے بڑھنے لگی اور سمیع ایک ایک

قدم پیچھے ہٹنے لگا۔

''وہ میری حفاظت میں ہے...وہ میری بیٹی بھی ہے' بہن بھی اور دوست بھی....اور کبھی کبھی....'' وہ قریب آ رہی تھی اور سمیع شل چہرے کے ساتھ پیچھے ہٹ رہا تھا۔

''وہ میری....ماں بھی بن جاتی ہے۔ وہ میرے لئے ایسی ہے کہ اس کے نزدیک....میں تم جیسے کچرے کو...برداشت بھی نہیں کر سکتی....'' اسٹور کی بیرونی دیوار سے سمیع کی کمر ٹکرائی....وہ مزید پیچھے نہیں ہٹ سکتا تھا...نہ اس کے ہاتھ میں پستول تک رینگ جانے کی سکت تھی۔ داتن مزید قریب آئی۔ وہ اس کے سیاہ چہرے کا ایک ایک نقش دیکھ سکتا تھا۔

''اس لئے ....تمہیں مجھ سے....ڈرنا چاہیے...اور تالیہ سے....دور رہنا چاہیے....کیونکہ....میں....ایک بہت....خطرناک عورت ہوں...اور میں تمہارا....سانس بھی روک سکتی ہوں' سمیع!'' اس کے بالکل قریب آ کے وہ غرائی۔ وہ چپ' شل کھڑا رہا۔ پھر وہ مڑی اور اسٹور کی طرف بڑھ گئی۔ کچھ دیر بعد سمیع نے نظر اٹھا کے دیکھا۔

بھاری بھرکم عورت اب کینڈیز اور بچوں والی جیلیز کے ریک کے ساتھ جا کھڑی ہوئی تھی اور مختلف پیکٹ اٹھا کے دیکھ رہی تھی۔ سمیع ہنوز ساکت کھڑا تھا۔

☆......☆......☆

ملاکہ پہ دوپہر پھیل رہی تھی۔ فضا نم آلود تھی۔ دور سمندر کی لہروں کا شور یہاں تک سنائی دے رہا تھا۔

بازار میں معمول کی گہما گہمی تھی۔ ٹریفک' دکانداروں کا شور اور آوازیں۔ ایسے میں سرخ گھر کے اندر آؤ تو بڑے کمرے سے گزر کے صحن آتا تھا۔ وہاں تالیہ گردن اونچی اٹھائے کھڑی' بالائی منزل کو دیکھ رہی تھی۔ دونوں بچے ادھر ادھر بکھر گئے تھے۔

اندر ایک کمرے کا دروازہ بند کیے وہ دونوں آمنے سامنے کھڑے تھے۔ فاتح دونوں ہاتھ کمر پہ جمائے سخت ناخوش لگ رہا تھا۔

''اس لڑکی کو بلانے کی کیا ضرورت تھی؟ یہ ہمارا فیملی ہالیڈے تھا۔''

''کون سی فیملی؟ جس کو تو تم اپنی سیاست کے پیچھے چھوڑنے تک تیار ہو گئے تھے؟ اگر صرف سیاست ہی میٹر کرتی ہے فاتح' تو میں بھی وہی کر رہی ہوں۔ وہ میرا بزنس انٹرسٹ ہے' اور جیسے میں تمہارے مفادات میں تمہارا ساتھ دیتی ہوں' تم بھی دو گے!''

''اس نے ہمارے گھر سے چوری کی ہے' عصرہ!'' لیکن عصرہ نے درشتی سے بات کاٹی۔

''مگر تمہاری فائل تو کھوئی ہی نہیں ہے' فاتح۔ اور اگر کی بھی ہے تو کیا ہوا۔ کیا باریسن نیشنل میں کرپٹ سیاستدان نہیں ہیں جن کے ساتھ تم روز اٹھتے بیٹھتے ہو اور میں ان کی دعوتیں کرتی ہوں۔ جیسے ان چوروں کو میں برداشت کرتی ہوں' میری چور کلائنٹ کو تم کرو گے۔''

فاتح نے لب بھینچ لیے اور چہرہ موڑ لیا۔ اس کا موڈ خراب ہو چکا تھا۔

''ویسے بھی ابھی تم یہی کہہ رہے تھے نا کہ سیاستدانوں کے پیچھے دوستوں کو آپس کے تعلقات نہیں خراب کرنے چاہئیں۔'' تلخی سے کہہ کے وہ تیز تیز آگے بڑھ گئی۔

تالیہ ابھی تک دالان میں کھڑی گردن اٹھائے گھر کے بالائی کمروں کو دیکھ رہی تھی جب دھیرے دھیرے سارے گھر والے اسی طرف آتے گئے۔ بچے' عصرہ اور پھران کے پیچھے فاتح بھی۔ وہ بٹنوں والی سفید شرٹ کے آستین موڑے جینز کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے قدم اٹھاتا قریب آیا تو تالیہ نے گردن موڑی۔ وہ نارمل لگ رہا تھا۔ ٹھنڈا۔ پرسکون۔ بے نیاز۔ بزنس فیس۔

''اس گھر کو سن باؤ کا گھر کیوں کہتے ہیں' فاتح صاحب؟'' وہ سادگی سے اسے دیکھ کے بولی تو فاتح نے رخ موڑ لیا اور آگے چلتا گیا۔ یہاں تک کہ وہ صحن کے دوسرے کونے میں نصب اونچے چبوترے تک جا ٹھہرا جس کے اوپر ایک مجسمہ نصب تھا۔

''یہ وانگ لی کا مجسمہ ہے۔'' اس نے مجسمے کی طرف اشارہ کیا۔ دھوپ آج نہیں تھی۔ موسم ٹھنڈا اور نم آلود تھا۔ ہر سو چھایا سی تھی۔ ایسے میں سرخ اینٹوں سے بنے صحن میں وہ سرمئی اونچا مجسمہ بہت حسین لگ رہا تھا۔ ایک چینی آدمی پورے قد سے کھڑا تھا۔ کمر پہ ہاتھ باندھے۔ لمبے بال' سر پہ ٹوپی' لمبی باریک مونچھیں....اور کندھوں سے پیر تک گرتا چغہ۔ میان میں تلوار۔ چہرے پہ دوستانہ مسکراہٹ۔

تالیہ دھیرے دھیرے چلتی قریب آئی۔

''اور وانگ لی کو ''سن باؤ'' کیوں کہتے تھے ڈیڈ؟'' سکندر بھی باپ کے پاس آ رکا۔

''سن باؤ....یعنی تین خزانے یا تین نگینے۔ بدھ مت کے تین نگینے ہوتے ہیں' بدھا' دھرما' سنگھا۔ ان کو سن باؤ کہا جاتا ہے۔ وانگ لی ایک چینی غلام تھا' پندرھویں صدی میں وہ اپنی ذہانت اور صلاحیت کے بل بوتے پہ کم عمری میں ہی محل میں اعلیٰ مقام حاصل کر لیتا ہے۔ پھر چینی بادشاہ کا خاص سفیر مقرر ہوتا ہے' اور ایک بہت بڑا تاجر بن جاتا ہے۔'' وہ کمر پہ ہاتھ باندھے کھڑا' گردن اٹھا کے مجسمے کو دیکھتا بتا رہا تھا۔ تالیہ کے آنے کی کلفت' بے زاری۔ وہ سب بھول گیا تھا۔

''اس کو بادشاہ نے سن باؤ کا لقب عطا کیا تھا۔ وہ اکثر ملاکہ آتا تھا' ساری دنیا سے گھوم پھر کے' سامانِ تجارت اور مختلف حکومتوں سے معاہدے کر کے وہ سمندر کے راستے ملاکہ آتا۔ اس نے اور دوسرے تاجروں نے یہاں ویئر ہاؤسز بنائے تھے۔ یہ گھر وانگ لی نے بنوایا تھا۔ یہاں وہ سامان وغیرہ رکھتا اور خود بھی رہا کرتا تھا۔ اپنے آخری قیام میں وہ کافی عرصہ ادھر رہا تھا۔ وہ ایک اعلیٰ درجے کا ایکسپلورر' تاجر اور ایڈمرل تھا۔ اس نے چینی حکومت کو دنیا کی بہترین سپر پاورز میں سے بنا دیا تھا۔ کہتے ہیں وہ کمال کا آدمی تھا۔''

''آپ کے والد نے وانگ لی کا گھر کیوں خریدا؟'' وہ فاتح کے چہرہ کو دیکھ رہی تھی جو ابھی تک اس مجسمے کو دیکھ رہا تھا۔ جولیانہ درختوں کے پتوں سے چھیڑ چھاڑ کر رہی تھی اور عصرہ اندر کمروں کی طرف چلی گئی تھی تاکہ گھر کی مرمت کے کام کا جائزہ لے سکے۔

''میں چھوٹا تھا تو ایک دفعہ یہاں آیا تھا۔ تب کسی کو نہیں معلوم تھا کہ یہ وانگ لی کا گھر ہے۔ میں بابا کے ساتھ سامنے کسی دکان پہ

بیٹھا تھا' پھرادھرآ گیا۔ یہ مجسمہ....تب یہ ٹوٹا پھوٹا تھا' عصرہ نے بعد میں اس کو ٹھیک کروایا' یہ مجسمہ مجھے بہت پسند آیا تھا۔ عجیب کشش تھی اس میں۔اب بھی ہے۔ مانوسیت۔اپنائیت۔جیسے کوئی دوست ہوتا ہے نا۔" اس کی گردن اٹھی تھی اور وہ مسکرا رہا تھا۔ ہاتھ ایسے کمر پہ باندھ رکھے تھے جیسے وانگ لی نے باندھے ہوئے تھے۔

"کس نے بنایا تھا یہ مجسمہ؟" سکندر نے دلچسپی سے پوچھا۔

"شہزادی تاشہ نے!"

تالیہ چونک کے اسے دیکھنے لگی۔ "شہزادی تاشہ کون تھی؟ یونو' میں نے بھی ایک دفعہ ایک تھیٹر شو میں تاشہ آ گا پو وا کا کردار کیا تھا۔"

"وہ آریانہ کو بہت پسند تھی۔" سکندر فوراً بولا مگر فاتح نے چہرہ موڑ کے قدرے خفگی سے اسے دیکھا۔ "وہ کوئی روسی فیری ٹیل تھی جو دس سال پہلے لکھی گئی تھی۔ میں ملاکہ سلطنت کی شہزادی تاشہ کی بات کر رہا ہوں۔" پھر دوبارہ سے مجسمے کو گردن اٹھا کے دیکھنے لگا۔

"تو کون تھی شہزادی تاشہ؟" تالیہ کی نظریں بے اختیار دیوار کی جانب اٹھیں۔ شمالی دیوار جہاں اس نے وہ نظم لکھی دیکھی تھی۔ خواب کے برعکس وہ دیوار خستہ حال نہیں تھی۔ شاید رینوویشن میں مرمت کر دی گئی تھی۔ وہاں کسی بھی قسم کی لکھائی کا نشان نہیں تھا۔

"شہزادی تاشہ فاتح کے پسندیدہ کرداروں میں سے ہے۔" عصرہ باہر آتے ہوئے محظوظ انداز میں بولی۔ "فاتح کسی عورت کی تب تک تعریف نہیں کرتا جب تک وہ اس کی شدید مستحق نہ ہو مگر شہزادی تاشہ سے وہ ہمیشہ متاثر رہا ہے۔"

وہ مسکرا کے پلٹا۔ "میں اکثر تمہاری تعریف کرتا ہوں۔"

عصرہ نے مسکرا کے شانے اچکائے اور پھر تالیہ کی طرف متوجہ ہوئی۔ "شہزادی تاشہ ملاکہ کی سب سے حسین شہزادی تھی۔ وہ سلطان کی بیٹی نہیں تھی' بلکہ بنداہارا کی بیٹی تھی۔"

"بنداہارا کیا ہوتا ہے' ماما؟"

"وہی جو تمہارے بابا بننا چاہتے ہیں۔ پردھان منتری۔ وزیرِاعظم۔ اس زمانے میں سب سے طاقتور بادشاہ ہوتا تھا' اور اس کے بعد وزیرِاعظم۔ مگر آج کے ملائیشیاء میں وزیرِاعظم سب سے طاقتور رہتا ہے اور اس کے بعد بادشاہ۔"

"تھینکس ٹو ڈیموکریسی!" وہ واپس جیبوں میں ہاتھ ڈالے آگے چلتا گیا۔ صحن کے دوسرے کونے میں درخت لگے تھے جو اس کے بابا نے لگوائے تھے۔ جولیانہ وہیں بیٹھی تھی۔ وہ جھک کے اس کو سرگوشی میں کچھ کہنے لگا اور وہ دبا دبا سا ہنسنے لگی۔ تالیہ نے ان سے نظر ہٹائی اور عصرہ کی طرف متوجہ ہوئی جو بتا رہی تھی۔

"شہزادی تاشہ کے بارے میں Malay annals میں کوئی ذکر نہیں ملتا لیکن چند دوسری تاریخی کتابوں میں تھوڑا بہت ضرور لکھا ہے۔ وہ پردھان منتری کی بیٹی تھی۔ بے حد ذہین' عقلمند اور دانا۔ کہتے ہیں وہ سب کچھ کر سکتی تھی۔ عورتوں والے کام بھی' مردوں والے

کام بھی۔ گھڑسواری‘ تیراندازی‘ تلوارزنی ہو‘یا پھر کھانا پکانا‘ کڑھائی سلائی‘ لکھنا پڑھنا غرض تاشہ کسی ساحرہ کی طرح تھی۔ اسے کئی زبانوں پہ عبور حاصل تھا۔ وہ سیاسی سمجھ بوجھ بھی رکھتی تھی اور اپنے باپ اور سلطان تک کو سیاسی مشورے بھی دیتی تھی۔ ایک وقت میں وہ اتنی طاقتور تھی کہ مورخ لکھتے ہیں‘ وہ سارے محل کو چلا رہی تھی۔ کہتے ہیں سلطان بھی اس سے بہت متاثر تھا اور اس کو اپنے لئے چاہتا تھا۔“

”پھر کیا ہوا؟“

”معلوم نہیں۔ کہتے ہیں اس کی کہانی کا انجام دکھی تھا۔ مگر وہ اکثر سن باؤ کے گھر آیا کرتی تھی۔ یہاں اسی آنگن میں۔ اسی نے یہ مجسمہ بنایا تھا۔ کہتے ہیں سن باؤ سے اس کی دوستی تھی۔ یا معلوم نہیں کیا تھا جو وہ اس گھر میں اکثر آتی تھی۔“ عصرہ نے آخر میں گہری سانس لے کر شانے اچکا دیے۔ پھر گردن موڑی اور سامنے والے کمرے کی طرف اشارہ کیا۔ ”یہ سن باؤ کا کمرہ تھا۔ وہ یہاں انگیٹھی کے پاس بیٹھا کرتا تھا اور وہ ادھر دالان میں کھڑے مجسمہ بناتی تھی۔ بالکل ادھر جہاں تم کھڑی ہو۔“

تالیہ ایڑھیوں پہ الٹی گھومی۔ اب اس کے سامنے سن باؤ کا کمرہ تھا اور اوپر....اس نے نگاہیں اٹھائیں۔ اوپر تین کمرے تھے جن کی بالکونیاں سڑک کی طرف بھی کھلتی تھیں اور ایک ایک کھڑکی ادھر صحن میں بھی کھلتی تھی۔

”اوپر کون رہتا تھا؟“ وہ سوچتی نظروں سے بولی۔

”اوپر؟“ عصرہ نے اچنبھے سے اوپر دیکھا۔ ”شاید سامان وغیرہ رکھا جاتا ہو کیونکہ سن باؤ کا کوئی خاندان تو تھا نہیں۔ وہ غلام تھا نا!“ (غلام شادی سے معذور ہوتے تھے۔)

”اس جگہ سے کھڑے ہو کر سن باؤ کا کمرہ اتنا صاف نہیں دِکھتا جتنا اوپر والا کمرہ دِکھتا ہے۔“

وہ اوپر دیکھتی بے خودی کے عالم میں کہے جا رہی تھی۔ ”شاید کوئی سن باؤ کے ساتھ رہتا تھا یہاں۔ شہزادی ایک محل سرا سے ملنے نہیں آتی تھی۔ شاید وہ اس سے ملنے آتی تھی جو اوپر اس کمرے میں رہتا تھا....“

فاتح جو ابھی تک جولیانہ سے جھک کے کچھ کہہ رہا تھا‘ اس بات پہ چونک کے پلٹا اور سیدھا ہوا۔

”یہ میرا کمرہ ہے۔“

تالیہ اسے دیکھ کے اداسی سے مسکرائی۔ ”شاید اس کمرے کے مکین کو بھی شہزادی تاشہ اتنی ہی پسند ہو جتنی آپ کو ہے۔“ اور آگے بڑھ گئی۔ فاتح نے چند لمحے اس کی بات پہ غور کیا پھر بیٹی کی طرف واپس مڑ گیا۔ عصرہ سیل فون سے تصویریں بنا رہی تھی اور سکندر مجسمے کے قدموں میں بیٹھا اس پہ غور کر رہا تھا۔

تالیہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی صحن کے دوسرے کونے میں بنے کنویں تک آئی۔

قدیم طرز کا کنواں جو کسی زمانے میں سن باؤ کے زیرِ استعمال تھا۔ وہ کنویں کے سر پہ رکی اور اندر جھانکا۔ پھر مڑ کے دیکھا۔ کوئی

اس کی طرف متوجہ نہ تھا۔

تالیہ نے جیب سے لائٹ نکالی اور اس کی نیلی روشنی کنویں کے اندھیروں کی سمت پھینکی۔

کنویں کی ایک دیوار کے ساتھ دھبے سے لگے تھے جو نیچے گہرائی میں اتر رہے تھے۔ وہ مزید آگے ہوئی۔ وہ دیوار میں کھدے ننھے ننھے سے زینے تھے جن کی مدد سے نیچے اترا جا سکتا تھا۔

نیچے کیا تھا؟

تالیہ مراد مسکرائی اور لائٹ بند کی۔ اسے معلوم تھا خزانہ کہاں ہے۔

پھر وہ مڑی اور اعلانیہ انداز میں اونچا سا بولی۔

''تو انکو.... میں یہ گھر خریدنا چاہتی ہوں۔''



نمرہ احمد کا یہ خوبصورت ناول **حالم** ابھی جاری ہے۔ بقیہ واقعات اگلی قسط میں پڑھیے۔

باب ششم

بازگشتِ دختر

اس نے دیکھا.....

بھوری لکڑی سے بنا دو منزلہ گھر ہے....

تازہ' بے روغن لکڑی...مخروطی چھتیں....اوپر بالکونیاں ہیں

اندر ایک کھلا سا صحن ہے....

ایک طرف کنواں ہے....

بالائی منزل کے کمروں کی پچھلی کھڑکیاں صحن میں کھلتی دکھائی دے رہی ہیں....

کونے والے کمرے کی کھڑکی میں کوئی کھڑا ہے....کوئی ہیولہ سا....

جیسے کوئی دراز قد' توانا مرد ہو.....

اور وہ نیچے دیکھ رہا ہے....

جہاں صحن کے کونے میں ایک نسوانی وجود کھڑا ہے....

اس نے مخملیں چغہ پہن رکھا ہے....جو شاہزادیاں سفر میں پہنا کرتی تھیں....

اس کی کھڑکی کی طرف پشت ہے....بالوں پہ ریشمی اوڑھنی لے رکھی ہے اور سر پہ جمے تاج کی پشت دکھائی دے رہی ہے....

چغے کے آستینوں سے نکلتی سپید بانہوں میں سونے اور ہیرے کے کنگن ہیں....

خوبصورت ہاتھوں میں زمرد اور یاقوت جڑی انگوٹھیاں ہیں....

اور وہ ہاتھ مہارت سے مٹی اور گارے سے چبوترے پہ کچھ بنا رہے ہیں....

انداز سے لگتا ہے کوئی مجسمہ ہے....

اور وہ لڑکی....وہ شاہزادی....وہ مجسمہ بناتے ہوئے بار بار رکتی ہے۔

گردن ذرا سی موڑتی ہے....

شکل ابھی بھی دکھائی نہیں دیتی....بس ماتھے کے اوپر تاج کا کونہ کنپٹی سے جھلکتا ہے....

بار بار گردن موڑنے کی خواہش کے باجود وہ واپس چہرہ پھیر جاتی ہے....

جیسے واقف ہے اس بات سے....کہ اوپر کھڑکی میں کوئی اسے دیکھ رہا ہے....

پھر دفعتاً وہ سر جھکا کے ہلکا سا ہنستی ہے....اور گردن موڑنے لگتی ہے....

اور کسی دھوئیں کی طرح خواب فضا میں تحلیل ہو جاتا ہے.....

☆......☆......☆

''تو انکو...میں یہ گھر خریدنا چاہتی ہوں۔''

یہ فقرہ لبوں سے نکالنے سے چند منٹ قبل تالیہ نے یہ خواب دیکھا تھا۔

جس وقت وہ دالان میں داخل ہوئی تھی' اور گردن اوپر اٹھائے بالائی منزل کو دیکھ رہی تھی' (اور اندر فاتح اور عصرہ تلخی سے اس کے بارے میں بات کر رہے تھے) اس وقت تالیہ کی نظروں کے سامنے وہ منظر کسی خواب کی طرح چلنے لگا تھا۔قدیم زمانوں کی زردی لئے....یہ گھر مختلف نظر آتا تھا تب....اور وہ مجسمہ بناتی شہزادی جو اوپر کھڑے شخص کی نگاہوں سے واقف تھی....وہ اس کے انداز کی شوخی اور ہلکی سی ہنسی...سپید جلد اور زیورات بتاتے تھے کہ وہ اس سے کہیں زیادہ خوبصورت ہو گی جتنا تاریخ کی کتابوں میں لکھا تھا....

وہ خواب سے چونکی تو خود کو سن باؤ کے گھر میں کھڑے پایا۔

فاتح اور بچے باہر آ گئے تھے اور اب فاتح مجسمے کے بارے میں بتا رہا تھا۔پھر گفتگو کا رخ شہزادی تاشہ کی طرف مڑ گیا اور عصرہ بتانے لگی کہ کس طرح وہ یہاں مجسمہ بناتی تھی.....

مگر عصرہ نہیں جانتی تھی کہ تالیہ کو بعض دفعہ دوسرے لوگوں کے بارے میں بھی خواب یا وژن نظر آ جاتے ہیں۔اس قدیم مکان میں چھ سو برس قبل شہزادی کس سے ملنے آتی تھی' ....وہ دیکھ چکی تھی' اسی لئے جب اس نے مداخلت کر کے بتایا کہ شہزادی سن باؤ کے لیے نہیں ادھر آتی تھی تو یہ اندازہ نہیں تھا۔

یہ وجدان تھا۔

فاتح جولیانہ کے ساتھ مصروف ہو گیا اور عصرہ تصاویر بنانے لگی تو وہ کنویں تک آئی۔اندر نیچے اترنے کے لئے نشان بنے تھے۔پانی اب بھی کنویں میں موجود تھا۔وہ مسکرائی اور پلٹی۔

''تو انکو...میں یہ گھر خریدنا چاہتی ہوں۔'' اعلانیہ بلند سا بولی تو صحن میں موجود ہر شخص چونکا۔فاتح جو جھک کے بیٹی سے بات کر رہا تھا' چند لمحے ساکت سا جھکا رہا پھر سیدھا ہوا اور اسے دیکھا تو چہرہ سنجیدہ تھا۔

''ایکسکیوز می؟''

''میں .... یہ گھر.... (اطراف میں اشارہ کیا) خریدنا چاہتی ہوں۔'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کے مسکرائی۔

''اور تمہیں کس نے کہا تاشہ کہ میں یہ گھر بیچنا چاہتا ہوں؟''

''آپ نے کل صبح ہی اس گھر کو مارکیٹ پہ ڈال دیا تھا۔ ملاکہ کے تمام پراپرٹی ڈیلرز واقف ہیں تو میں کیوں نہیں ہوں گی؟''

''مگر میں تمہیں یہ گھر نہیں بیچ سکتا۔'' وہ اس سے چند قدم کے فاصلے پہ کیاری کے ساتھ کھڑا تھا۔ دونوں کے درمیان سرخ اینٹوں کا پکا صحن حائل تھا۔

''کیوں؟''

''کیونکہ تم اس کو افورڈ نہیں کرسکتیں۔'' وہ ہلکا سا مسکرایا۔ استہزائیہ مسکراہٹ۔

''آپ کو کیوں لگا میں اس کو افورڈ نہیں کرسکتی؟''

''کیونکہ میرا نہیں خیال تمہارا بینک بیلنس اتنا ہے جتنا تم بتاتی ہو۔''

عصرہ جو موبائل اونچا کیے بالائی کمرے کی تصاویر اتار رہی تھی' اس بات پہ گردن موڑ کے تادیبی نظروں سے فاتح کو دیکھا جو تالیہ کی طرف متوجہ تھا۔

''واقعی!'' وہ سر کو خم دے کر سادگی سے مسکرائی۔ ''میرا بینک بیلنس واقعی اتنا نہیں جتنا بتاتی ہوں۔'' اس کی آنکھوں میں دیکھ کے وقفہ دیا.... ''بلکہ.... اس سے کہیں زیادہ ہے' تو انکو!''

''یعنی اثاثے چھپاتی ہو تم.... پھر تو پورا ٹیکس بھی نہیں دیتی ہو گی۔ یہ دونوں جرائم ہیں۔ چچ۔ میری حکومت میں تم جیل جانے والے پہلے لوگوں میں سے ہو گی۔'' افسوس سے بولا اور پلٹ گیا۔

تالیہ اسے دیکھ کے رہ گئی۔ اب وہ اندر جا رہا تھا۔

''وہ مذاق کر رہا تھا۔'' عصرہ نے تصویر اتارتے ہوئے وضاحت دی تو وہ چونکی' پھر جبراً مسکرائی۔

''وان فاتح کے ساتھ گزارا کرنا بھی ایک آرٹ ہے' نہیں؟''

عصرہ ہنس دی اور سر جھٹکا۔ ''وہ بہت اچھا شوہر' باپ اور سیاستدان ہے۔''

''خدا کرے وہ اتنا ہی اچھا میزبان بھی بن جائے۔'' بولی نہیں' صرف دل میں سوچا۔

تبھی فون بجنے لگا۔ تالیہ نے نکال کے دیکھا تو ایڈم کا نام جل بجھ رہا تھا۔

''کانگ ہو کا فون ہے۔ نیلامی کے بارے میں جاننا چاہتے ہوں گے۔ میں ذرا ان کو سن لوں۔'' مسکرا کے اس پینٹر کا نام لیا

جس کے بارے میں عصرہ کو بتایا تھا کہ نیلامی پہ مدعو کر رکھا ہے اور فون کان سے لگائے بیرونی دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

''ہاں بولو....'' گھر سے باہر نکلی تو سڑک پہ اکا دکا گاڑیاں گزر رہی تھیں۔ ارد گرد شاپس اور ریستوران بنے تھے۔ ٹھنڈی سی چھایا میں گھری صاف ستھری سڑک جس پہ قدیم گھروں کو سرخ سفید پینٹ کر کے ڈولز ہاؤس کی طرح نیا بنا دیا گیا تھا۔ دکانوں کے آگے چھتریاں لگی تھیں جہاں لوگ کرسی میزوں پہ بیٹھے چائے قہوے پی رہے تھے۔ ایسے میں وہ فٹ پاتھ پہ چلتے ہوئے فون پہ ایڈم کو سنے گئی جو کہہ رہا تھا۔

''کیا ہم مل سکتے ہیں؟''

''ہاں مگر شام کو۔ میں ابھی گھر پہ نہیں ہوں۔''

''میں جانتا ہوں' آپ ملاکہ میں ہیں۔ میں بھی وہیں آ رہا ہوں۔''

تالیہ چونکی۔ ''میری جاسوسی کرنے لگے ہو کیا؟''

''نہیں۔ ہاں۔ شاید۔ اچھا ہم کہاں مل سکتے ہیں۔''

''تم کیوں ملنا چاہتے ہو' ایڈم؟''

''کیا آپ کو وہ سکہ نہیں چاہیے؟'' تالیہ اس سوال پہ خاموش ہو گئی۔ گاڑیاں ساتھ سے گزر رہی تھیں اور وہ فٹ پاتھ کنارے آگے چلتی جا رہی تھی۔

''سکہ ساتھ لا رہے ہو؟''

''جی.... کیونکہ خزانہ ملاکہ میں ہی ہے نا۔''

تالیہ مراد رک گئی۔ بالکل ساکت۔ شل۔

''خاموش کیوں ہو گئیں آپ چے تالیہ۔ چابی کا دوسرا حصہ آپ کے پاس ہے لیکن سکہ میرے پاس ہے۔ اور خزانہ ملاکہ میں۔ اتنا مشکل نہیں تھا گیس کرنا۔''

''مجھے نہیں پتہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ یہ سکہ سرکار کی امانت ہے۔'' اس نے کہنے کی کوشش کی۔

''ہم کہاں مل سکتے ہیں' چے تالیہ؟'' وہ بے چینی سے بولا۔ وہ چند لمحے سوچتی رہی۔ بولی نہیں۔

''اگر آپ کو سکہ چاہیے تو آپ کو مجھ سے سچ بولنا ہو گا۔ سچ آپ کو آزاد کر دے گا چے تالیہ۔''

''وانگ لی کے کنویں پہ مجھ سے ملو۔''

''کون سا کنواں؟ جو وانگ لی کے گھر میں ہے؟ سن باؤ کا گھر؟''

''نہیں اسٹوپڈ۔ وہ تو فاتح صاحب کا گھر ہے۔ میں بوکیت چینہ پہاڑی کی بات کر رہی ہوں جہاں وانگ لی نے کنواں بنوایا تھا

۔جس کا پانی چھ سو سال سے خشک نہیں ہوا۔''

''پانچ سو ستاون سال' چے تالیہ۔ اور اس کو وانگ لی کا کنواں نہیں کہتے۔ یہ نام سیاحوں نے غلط العام کر رکھا ہے۔ وہ کنواں وانگ لی نے شہزادی ''یان سوفو'' کے لئے بنوایا تھا۔ اس کو ''یان سوفو'' کا کنواں کہتے ہیں۔''

''تمہیں اتنا کیسے معلوم ہے؟''

''کیا آپ کتابیں نہیں پڑھتیں' چے تالیہ؟'' وہ گہری سانس لے کر بولا تھا۔

''اب اس کا کیا کروں؟'' کال ختم کر کے وہ وہیں فٹ پاتھ کنارے کھڑی سوچتی رہی۔ پھر مڑی تو سامنے ایک دکان کے آگے تنی چھتری تلے کرسیاں میزیں بچھی تھیں۔ وہاں آمنے سامنے دو بوڑھے بیٹھے شطرنج کی بساط درمیان میں رکھے غور و فکر کر رہے تھے۔ وہ آگے آئی اور ان کے عین سر کے اوپر جھکی سوچتی نظروں سے بساط دیکھی۔

''اگر سیاہ والی فوج اپنے اس پیادے کو ایک قدم چلائے....'' دو انگلیوں سے پیادہ اٹھایا تو دونوں نے چونک کے گردنیں اٹھائیں۔ سفید ہیٹ والی لڑکی بورڈ کو دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی....

''اور سفید فوج اپنے فیلے کے ذریعے اس سیاہ گھوڑے کو مار دے تو سیاہ رخ اس فیلے کو مار دے گا اور سفید پیادہ یوں چل جائے تو سیاہ ملکہ کا راستہ صاف ہو جاتا ہے۔ اور یہ کر دیا سیاہ ملکہ نے سفید بادشاہ کو..... شہہ مات!'' اس نے جھکے جھکے دو تین گوٹ چلائے اور سیدھی ہو کے مسکرائی پھر سیاہ فوج کے بوڑھے مالک کو دیکھا جو ہکا بکا بیٹھا تھا۔

''ہر وقت دفاعی انداز میں کھیلنا اچھا نہیں ہوتا۔ جب آپ کو لوگ کونے سے لگا دیں تو جارحانہ حکمتِ عملی اپنانی پڑتی ہے۔ پیادے کو ملکہ بننا پڑتا ہے۔ یو آر ویلکم' انکل۔'' ہیٹ کو تر چھا کرتے ہوئے سر جھکا کے تعظیماً بولی' اور مڑ گئی۔

سفید فوج کا مالک بوڑھا پریشان سا بساط کو دیکھ رہا تھا۔

''مگر.... میرا دوسرا سفید گھوڑا تو راستے میں حائل تھا۔ وہ.... کہاں گیا....؟''

اور فٹ پاتھ پہ آگے بڑھتی تالیہ نے مٹھی میں دبایا سفید گھوڑا مسکرا کے فضا میں اچھال دیا۔

''ایمانداری سے بھی کوئی جیت سکتا ہے بھلا.... وہ بھی اس دنیا میں؟''

اب وہ واپس سرخ لکڑی کے روغن زدہ گھر کی طرف جا رہی تھی۔ اسے عصرہ سے اجازت لے کر ہوٹل جانا تھا اور شام کو خزانے کے بارے میں اگلا لائحہ عمل تیار کرنا تھا۔

یہ تو طے تھا کہ وہ خزانہ لیے بغیر ملاکہ سے واپس نہیں جائے گی۔

سن باؤ کے گھر کے دروازے کے سامنے وہ رکی اور گردن اوپر اٹھائی۔ بالائی کمروں کی بالکونیاں سڑک کی طرف کھلتی تھیں۔ اندر

صحن میں ان کمروں کی کھڑکیاں تھیں جہاں سے شہزادی مجسمہ بناتے وقت اوپر موجود شخص کو دیکھتی تھی۔ مگر کیا وہ یہاں بالکونی میں بھی بیٹھتا ہوگا جب دور سے گھوڑے پہ شہزادی تاشہ آتی ہوگی؟

اس نے گردن موڑ کے شمال کی سمت دیکھا۔ ابھی تو یہاں دکانیں تھیں اور ان کے پیچھے کچھ دکھائی نہ دیتا تھا لیکن وہ جانتی تھی کہ محض چند میل کے فاصلے پہ ملاکہ سلطنت کا محل واقع تھا۔ جو ملک آج ملائیشیا تھا' وہ کسی زمانے میں ایک بڑا سا ملک تھا جو ملاکہ سلطنت کہلاتی تھی۔ ملائیشیا کے آس پاس کی ریاستیں بھی اس میں شامل تھیں۔ سولہویں صدی میں جب ملاکہ پہ پرتگال نے قبضہ کیا تو اس محل کو جلا ڈالا۔ پھر ڈچ آئے۔ اور گزشتہ صدی میں انگریز۔ 1957 میں ملائیشیا کو آزادی ملی اور اب ملاکہ اس کی صرف ایک ریاست ہے۔ محل تو صدیوں پہلے جلا دیا گیا تھا مگر چند برس قبل ملائیشیاء کی حکومت نے پرانی کتابوں اور نقشوں کی مدد سے محل کا خاکہ نکالا اور اسے ہو بہو ویسا ہی تعمیر کروایا۔ اب وہ ایک میوزیم تھا۔ کسی زمانے میں شہزادی تاشہ وہیں رہتی ہوگی۔

وہ بالکونی کو دیکھے گئی۔ جانے کون ہوگا یہاں جس کے لئے بنداہارا کی خوبصورت بیٹی آیا کرتی تھی؟ یقیناً کوئی جری مرد ہوگا۔ وہ جتنی حسین' طرحدار اور لائق تھی' کسی عام مرد کے لئے نہیں آئے گی۔ پتہ نہیں کیا کہانی ہوگی اس کی۔ وہ سوگوار مسکراہٹ کے ساتھ آگے بڑھ گئی۔ اسے معلوم تھا کہ وہ کبھی اس کی داستان نہیں جان پائے گی۔

ظاہر ہے وہ غلط تھی۔



تالیہ الوداعی کلمات کہہ کے چلی گئی تو عصرہ اوپر آئی۔ بیرونی زینے عبور کر کے بالکونی پار کی اور پہلے کمرے میں داخل ہوئی۔ توقع کے عین مطابق وہ وہیں موجود تھا۔

کمرہ سادہ تھا۔ ایک طرف سنگل پلنگ بچھا تھا۔ دوسری جانب الماری تھی۔ فاتح اس وقت دیوار کے سامنے کھڑا تھا جہاں کھڑکی تھی۔ عصرہ کی جانب پشت کیے' وہ نیچے صحن میں مجسمے کو دیکھ رہا تھا۔

''بچے کھانا کھانے باہر جانا چاہتے ہیں۔ چلو گے؟'' اس نے نرمی سے پکارا۔

''ہوں!'' وہ بے توجہی سے نیچے دیکھتا رہا۔

''اس گھر کو بیچنا مشکل لگ رہا ہے کیا' فاتح؟'' وہ اس کے کندھے کے پیچھے آ کھڑی ہوئی۔ نیچے صحن اور کنواں صاف دکھائی دیتا تھا۔

''نہیں تو۔ میں یہاں کم رہا ہوں۔ کبھی چھٹیوں میں آتے تو میں یہ کمرہ لے لیتا تھا۔ چار پانچ ماہ میں ایک آدھ دن کے لئے۔''

''مت ظاہر کرو کہ تمہیں اس کو بیچنے سے فرق نہیں پڑتا۔''

''واقعی نہیں پڑتا۔ بیچ ہی رہا ہوں' ڈھا نہیں رہا۔'' باہر دیکھتے ہوئے اس نے شانے اچکائے۔

''نئے مالک ڈھا دیں گے۔کوئی کافی شاپ' کوئی ٹی ہاؤس بنا دیں گے اس کو۔''

فاتح نے جواب نہیں دیا۔وہ نیچے دیکھتا رہا۔ سینے پہ بازو لپیٹے' اس کی سیاہ آنکھیں مجسمے پہ جمی تھیں۔جینز کے اوپر سفید شرٹ پہنے' بال ماتھے پہ بکھیرے' وہ عام دنوں سے مختلف لگ رہا تھا۔

''فاتح....ریستوران!'' اس نے یاد دلایا تو وہ گہری سانس لے کر اس کی جانب گھوما۔

''میں کچھ آرڈر کرلوں گا۔تم جاؤ۔موسم خراب لگ رہا ہے' تمہیں پھر واپس بھی جانا ہوگا۔''

عصرہ چند لمحے تفکر سے اسے دیکھے گئی۔

''ہاں' ہم لنچ کر کے واپس چلے جائیں گے' موسم اچھا نہیں ہے' لیکن تم....تم کب آؤ گے؟''

''میں رات تک آؤں گا۔''

''اکیلے کیا کرو گے ادھر؟'' وہ قدرے تشویش سے اسے دیکھ رہی تھی۔

فاتح نے مسکراتے ہوئے اطراف میں دیکھا۔''اکیلا کہاں ہوں؟ عنقریب اشعر مشہور کرنے والا ہے کہ اس گھر میں بھوت پریت بھی رہتے ہیں۔''

عصرہ کی آنکھیں حیرت سے پوری کھل گئیں۔''تمہیں کیسے معلوم؟''

''اور کس طرح کسی پراپرٹی کی قیمت گرائی جاتی ہے؟ تمہیں لگتا ہے میں اس کے طریقوں سے واقف نہیں ہوں؟'' ابرو اچکا کے مسکرایا۔ سینے پہ بازو لپیٹے وہ بے فکر لگ رہا تھا۔عصرہ کی پیشانی پہ سلوٹیں پڑیں۔

''کیوں ایش کے بارے میں ایسے اندازے لگاتے ہو فاتح؟ پہلے تو تم ایسے نہیں تھے۔''

''مگر وہ ہمیشہ سے ایسا ہی تھا۔دکھاوے کے ساتھ یہی مسئلہ ہوتا ہے۔کبھی نہ کبھی کھل جاتا ہے۔'' شانے ذرا سے اچکائے گویا اسے پرواہ نہیں تھی۔عصرہ نے ضبط سے گہری سانس لی۔

''خیر....جو بھی کرو....تمہاری سیاست' تم دونوں جانو۔ہم لنچ کرتے ہی واپس نکل جائیں گے۔تم کچھ آرڈر کر لینا۔''

''شیور!'' وہ بے پرواہ تھا۔یا شاید قانع۔

عصرہ نے ایک الوداعی نظر اس پہ ڈالی' اور باہر نکل گئی۔

کچھ دیر بعد جب وہ اور بچے کار میں بیٹھ رہے تھے' وان فاتح اوپر بالکونی میں کھڑا تھا۔عینک لگائے' وہ جھک کے موبائل پہ ٹائپ کررہا تھا۔ابھی گلی میں لوگوں کی نظر اس پہ نہیں پڑی تھی ورنہ وہ تانتا بندھتا کہ خدا کی پناہ۔

''فاتح!'' کار کا دروازہ کھولتے وقت عصرہ نے اسے پکارا تو فاتح نے سر اٹھایا' پھر ان کو دیکھ کے مسکرایا اور عینک اتاری۔

''خدا حافظ!'' دایاں ہاتھ اٹھا کے الوداع کہا۔ سکندر نے ''خدا حافظ ڈیڈ!'' پکارا اور جولیانہ نے مسکرا کے ہاتھ ہلایا۔ وہ تینوں اندر بیٹھ گئے اور وہ مسکرا کے ان کو دیکھتا رہا۔ سکندر کی نظریں اسی پہ جمی تھیں۔ بار بار فکرمندی سے وہ باپ کو دیکھتا تھا جو ریلنگ پہ دونوں ہتھیلیاں رکھے، جھک کے ان کو دیکھ رہا تھا۔

''ماما... ہمیں ڈیڈ کو چھوڑ کے نہیں جانا چاہیے۔'' کار آگے بڑھ گئی تو وہ بے چینی سے پیچھے مڑ کے ماں سے بولا۔

''بیٹا، تمہارے ڈیڈ 48 سال کے ہیں۔ بے فکر رہو وہ راستہ نہیں بھولیں گے اور بالکل بھی نہیں کھوئیں گے۔ ان کو بھی کوئی space چاہیے۔'' وہ جو سیل فون پہ لگی تھی، قدرے اکتا کے بولی تو سکندر گردن موڑ کے سڑک کنارے بھاگتے درختوں کو دیکھنے لگا۔

اس کا دل خراب ہو رہا تھا۔ پتہ نہیں کیوں۔

(کیا بڑے لوگ راستہ نہیں بھولتے؟)

☆......☆......☆

ملاکہ کا دارالحکومت ملاکہ شہر تھا جو سمندر کنارے واقع تھا۔ جس ہوٹل میں تالیہ نے کمرہ لیا تھا، اس کی کھڑکیاں ساحل کی طرف کھلتی تھیں۔ فرنچ ونڈو پہ پڑے سفید پردے ہوا سے پھڑ پھڑا رہے تھے اور نیچے ٹھاٹھیں مارتا سمندر دکھائی دے رہا تھا۔

بیڈ پہ اس کا سامان بکھرا پڑا تھا اور وہ سامنے کھڑی تھی۔ ہاتھ میں ایک بیک پیک تھا۔ جیسے اسکول کالج جانے والے کندھوں پہ پہنتے ہیں۔ وہ کچھ چیزیں نکال نکال کے اس بیک پیک میں رکھ رہی تھی۔ رسی، ٹیپ، چند اوزار، پیسے، کریڈٹ کارڈز، گلوز۔ چھوٹے سے بیک پیک کو بھرنے کے بعد وہ روم فریج تک آئی اور اندر سے پانی کی ایک بوتل نکالی، ایک کولا کا کین اور اور چند چاکلیٹ بار۔

''اتنی کیلوریز؟ اونہوں۔'' چاکلیٹ واپس رکھ دی۔ پانی اور کولا کو بیگ میں ڈال دیا۔ ایک تیز دھار خنجر رکھا۔ ٹیزر (کرنٹ لگا کے بے ہوش کرنے کا آلہ)، کالی مرچوں کا اسپرے، اور ایسے تمام لوازمات جو وہ کسی بھی واردات کے وقت اپنے ساتھ رکھتی تھی، اس میں ڈالے اور زپ بند کی۔ پھر اسے کندھوں پہ پہنا اور خود کو آئینے میں دیکھتے ہوئے سن گلاسز آنکھوں پہ چڑھائے۔

تبھی موبائل بجا۔

ایڈم کنویں پہ پہنچ چکا تھا۔ وہ اسے وہیں رکنے کا کہہ کے باہر نکل آئی۔ ذہن تیزی سے مختلف ممکنات کو سوچ رہا تھا۔

☆......☆......☆

ملاکہ کے ساحل کا یہ حصہ الگ تھلگ سا تھا۔ یہاں اونچی چٹانیں تھیں، اور نیچے سمندر بہتا نظر آ رہا تھا۔ لہریں امڈ امڈ آتیں اور چٹانوں سے سر پٹخ کے واپس لوٹ جاتیں۔ یہاں اکا دکا لوگ نظر آتے تھے۔ دور تک ریت سنسان پڑی تھی۔

ایسے میں ایک چٹان کے اوپر وان فاتح کھڑا تھا۔ اس کی سفید شرٹ ہوا کے باعث پھڑ پھڑا رہی تھی۔ وہ دونوں ہاتھ کمر پہ رکھے

سمندر کو دیکھتے ہوئے سوگوار سا مسکرا رہا تھا.....

لہروں کی جھاگ میں شکلیں بن بن کے ابھرتیں' اور ابھر ابھر کے مٹتی تھیں۔ بہت سی یادیں گویا اڈتی چلی آ رہی تھیں۔ چھے سال گزر گئے۔ چھے سال اور ایک دن۔ اور کوئی نہیں جانتا تھا کہ آریانہ کے ساتھ اس روز کیا ہوا تھا۔

سوائے وان فاتح کے....

اسے ایک ایک لمحہ یاد تھا۔ آخری دن ان دونوں نے ملاکہ میں ساتھ گزارا تھا۔

ملاکہ آ کے سب سے پہلے وہی یاد آتی تھی۔

ملاکہ سے جاتے وقت سب سے آخر میں بھی وہی یاد آتی تھی۔

وہ ایک نم صبح تھی۔ سن باؤ کے گھر میں چھایا سی تھی۔ آسمان بادلوں سے ڈھکا تھا۔ ایسے میں صحن میں وہ بیٹھی تھی۔

ننھی آریانہ۔ اس مجسمے کے قریب پنجوں کے بل بیٹھے وہ اس کے پاؤں دیکھ رہی تھی۔ لمبے بال کمر پہ بکھرے تھے۔ وہ چینی نقوش والی گوری سی لڑکی تھی جس کی آنکھیں موٹی موٹی تھیں۔

وہ اس کی پشت پہ آ کھڑا ہوا۔ آریانہ نے گردن موڑی تو دیکھا۔ فاتح مسکرا کے اسے دیکھ رہا تھا۔ ٹی شرٹ اور جینز پہنے' وہ چھٹی والے لاپرواہ حلیے میں لگتا تھا۔

''کیا تمہیں بھی سن باؤ پسند ہے۔'' وہ پنجوں کے بل اینٹوں والے فرش پہ بیٹھا۔ آریانہ نے واپس چہرہ مجسمے کی طرف موڑ لیا۔

''ڈیڈ....کیا یہ آدمی اصل میں تھا کوئی؟''

''ہاں بیٹا۔ اس کا نام وانگ لی تھا۔''

''اس کا مجسمہ کیوں بنایا شہزادی تاشہ نے؟''

''کیونکہ وہ شہزادی تھی۔ اور شہزادیاں اپنی مرضی کی مالک ہوتی ہیں۔''

اوپر بادل زور سے گرجے اور یکا یک موٹی موٹی بوندیں صحن میں گرنے لگیں۔

''کاش میں بھی شہزادی ہوتی۔''

وہ ہنس دیا۔

''تمہیں کیوں لگا کہ تم شہزادی نہیں ہو؟'' سرخ اینٹوں والا صحن بارش میں بھیگ رہا تھا اور وہ دونوں پنجوں کے بل ساتھ بیٹھے تھے۔

''کیونکہ آپ بادشاہ نہیں ہیں۔'' وہ ہتھیلیوں پہ چہرہ گرائے اداس نظر آتی تھی۔

''تاشہ کا باپ بھی بادشاہ نہیں تھا۔ بنداہارا تھا۔''

''وہ کیا ہوتا ہے؟''

''پردھان منتری۔ (وزیرِاعظم)''

وہ چونک کے اسے دیکھنے لگی۔

''اگر آپ پردھان منتری بن جائیں تو میں خود بخود شہزادی بن جاؤں گی؟''

''ہاں۔'' وہ کھڑا ہوا اور جھک کے اسے اپنے بازوؤں میں اٹھالیا۔ آریانہ کسی اور سوچ میں لگتی تھی....

''مگر یہ تو چیٹنگ ہوئی۔ شہزادی تو بائی برتھ شہزادی ہوتی ہے۔ ایسے ہی کوئی تھوڑی شہزادی بن جاتا ہے۔'' وہ بھیگی ہوئی بچی اس کی گردن کے گرد بازو حمائل کیے سر اس کے کندھے پہ رکھے بولی۔ وہ اسے اٹھائے اندر برآمدے میں لا رہا تھا۔

''یہ چیٹنگ نہیں ہے۔'' برآمدے میں آ کے وہ ٹھہرا اور آریانہ کو نیچے اتارا۔ وہ فرش پہ کھڑے ہوتے ہی حیرت سے سر اٹھا کے اسے دیکھنے لگی۔

''چیٹنگ نہیں ہے تو اور کیا ہے؟''

''دھاندلی۔'' وہ سنجیدگی سے بولا.... اور دونوں ہنس دیے۔

تبھی اس کا فون بجنے لگا۔ اس نے نمبر دیکھا۔

''اندر جاؤ ماما کے پاس' اور اب بارش میں نہیں بھیگنا۔'' وہ تابعداری سے اندر جانے لگی' پھر رکی۔

''کل ہم کیبل کار (چیئر لفٹ) پہ جائیں گے نا' ڈیڈ؟''

فاتح نے صرف سر ہلا دیا اور فون کان سے لگاتے ہوئے برآمدے کے دوسرے سرے تک چلتا آیا۔ چہرے پہ سنجیدگی چھا گئی تھی۔

''کہاں ہو' فاتح؟'' مردانہ آواز دوستانہ انداز میں سنائی دی۔

''میں چھٹی پہ ملاکہ آیا ہوا ہوں۔ کیوں؟'' وہ اب برآمدے کے ستون کے ساتھ آ کھڑا ہوا۔ اوپر مخروطی چھت کے کناروں سے پانی ٹپک ٹپک کے نیچے گر رہا تھا۔ سامنے صحن بھیگتا دکھائی دے رہا تھا۔

''فاتح....'' وہ کوئی سیاسی دوست تھا۔ تذبذب سے بولا۔ ''صوفیہ صاحبہ ایک پیغام دینا چاہتی تھیں۔''

''پردھان منتری کی بیٹی صوفیہ رحمٰن صاحبہ؟'' وہ استہزائیہ مسکرایا۔ (یہ ان دنوں کی بات ہے جب صوفیہ رحمٰن کے بابا ملک کے وزیرِاعظم تھے۔)

''ہاں۔ ان کا کہنا ہے کہ اگر تم اور تمہارے ساتھ قریباً ۲۰ ممبر پارلیمنٹ....''

''میرا جواب ناں میں ہے۔''

''تم نے ابھی ان کی پیشکش سنی ہی نہیں ہے۔''

''اچھا ہے نہیں سنی' کیونکہ سن لوں گا تو اس پہ گواہ بن جاؤں گا' اور اگلا جلسہ جہاں بھی کرنے جاؤں گا' وہاں لوگوں کے سامنے دہرادوں گا کہ صوفیہ رحمٰن کیسے لوگوں کو اپنے الائینس میں شامل ہونے کے لئے دھمکاتی ہیں۔''

''وہ ملک کی اگلی وزیرِ اعظم ہیں۔ان کی بات تو سن لو۔''

ایک دم بارش کی بوچھاڑ اتنی تیز ہوگئی کہ مجسمے پہ گرتے قطروں کی تڑتڑاہٹ سے سارا آنگن گونج اٹھا۔

''میں ضرور سنتا اگر مجھے صوفیہ کے ساتھ بیک ڈور ڈیل کرنی ہوتی۔یہی کہنا چاہتی ہوگی ناوہ کہ میں بیس پچیس لوگوں کے ساتھ باریسن نیشنل چھوڑ کے اس کی پارٹی میں آجاؤں اور وہ مجھے وزیر بنادے گی؟ ابھی الیکشن میں دوسال پڑے ہیں' وہ ابھی سے اپنی حکومت کے لئے جوڑتوڑ شروع کررہی ہے۔'' وہ ستون سے ٹیک لگائے کھڑا' موبائل کان سے لگائے' بے نیازی سے کہہ رہا تھا۔

''صوفیہ رحمٰن ایک خطرناک عورت ہے۔''

''صوفیہ رحمٰن ایک بزدل عورت ہے۔اور اسے شاید بھول گیا ہے مگر ہم دونوں یونیورسٹی میں ساتھ پڑھتے ہیں۔اس کو کہنا' مجھے یہ بھی یاد ہے کہ وہ کیسی تھی' اور یہ بھی کہ میں کیسا تھا۔اسے مجھے ایسی آفر دیتے ہوئے شرم آنی چاہیے۔بی این کا ایک رکن بھی اس کی طرف نہیں جائے گا۔''

''تمہاری جگہ کوئی بھی ہوتا' وہ اس آفر کو قبول کرلیتا۔''

''تمہارے خیال میں ایسی آفرز مجھے پہلے کبھی نہیں دی گئیں؟ اگر مجھے دوسروں کے ساتھ سمجھوتے کر کے وزیرِاعظم بننا ہوتا تو کب کا بن چکا ہوتا۔میرا خواب ہے کہ میں اپنے ملک کا وزیرِاعظم بنوں اور یہ کوئی بری بات نہیں ہے۔یہ ایک عظیم خواب ہے۔اپنے ملک کی اعلیٰ ترین سطح پہ نمائندگی۔لیکن مجھے اسٹرگل کر کے وزیرِاعظم بننا ہے۔اور ہاں صوفیہ سے کہنا' اس نے جو کرنا ہے کرلے۔اس کے باپا اور اس کو لوگوں کو خریدنے کی عادت ہوگئی ہے۔عادت بدلنے میں وقت لگے گا۔''

اس نے موبائل رکھا اور پھر گردن نکال کے آسمان کو دیکھا۔وہ سیاہ پڑتا برسے جارہا تھا... جیسے رونے لگ گیا ہو.... زاروقطار....

آج....وان فاتح چٹان کے اوپر کھڑا تھا۔ہاتھ جیبوں میں تھے اور سوگوار مسکراہٹ سے سمندر کو دیکھ رہا تھا۔لہروں میں بنتی جھاگ میں دکھائی دیتا منظر بدل رہا تھا....

وہ سرسبز اونچی پہاڑیاں تھیں جہاں اونچے کھمبوں کی مدد سے تاروں پہ لٹکتی کیبل کار (چیئرز لفٹ) نیچے آتی دکھائی دے رہی تھیں۔ پہاڑی پہ ٹریک بھی بنا تھا جہاں ہائیکنگ کے شوقین لوگ چڑھتے اترتے دکھائی دیتے تھے۔مگر ایسے لوگوں کی تعداد کم تھی۔زیادہ لوگ

اوپر کیبل کار (چیئر زلفٹ) پہ بیٹھ کے سفر کرنا پسند کرتے تھے۔ عصرہ' اشعر اور سکندر کے ساتھ اوپر کیبل کار پہ چلی گئی تھی۔ جبکہ آریانہ کے شوق فاتح جیسے تھے۔ اسے قدرت کے قریب' جنگلوں اور پہاڑوں میں پیدل چلنے میں مزا آتا تھا۔

ٹریک پہ جانے سے پہلے آریانہ پاپ کارن کا اسٹال دیکھ کے مچل گئی۔ ''مجھے یہ کھانے ہیں۔''

''ابھی واپسی پہ کھانا تو کھاؤ گی نا' پھر یہ کیوں؟'' وہ ہلکا سا خفا ہوا۔ جواب میں اس نے پورا چہرہ اٹھایا اور بڑی بڑی آنکھیں جھپک کے اسے دیکھا۔ بولی کچھ نہیں۔

''اچھا۔ کھالو۔'' فاتح نے گہری سانس لی اور جیب سے بٹوہ نکالا۔ پھر آریانہ کا ہاتھ پکڑا اور اسے پاپ کارن اسٹال تک لے آیا۔ اسے میٹھے پاپ کارن پسند تھے۔ کیریمل والے۔ پورا پیکٹ بھر کے لیا اور اپنی لمبی جیکٹ کی جیب میں ڈال دیا۔ ''میں ان کو واپسی پہ کھاؤں گی۔''

''مگر یہ تب تک ٹھنڈے ہو جائیں گے' بے بی۔ پاپ کارن گرم کھائے جاتے ہیں۔''

''اس سے میری جیکٹ گرم ہو جائے گی نا۔'' کہنے کے ساتھ اس نے دو تین دفعہ پلکیں جھپکائیں۔ فاتح مسکرا دیا اور اس کا ہاتھ تھام لیا۔

کچھ دیر بعد وہ دونوں سرسبز پہاڑی پہ اوپر چڑھ رہے تھے۔ اس نے جینز میٹیریل کی شرٹ پہن رکھی تھی اور آریانہ نے پتلی سی سفید جیکٹ۔ نیچے سفید فراک اور سفید ہی جرابیں تھیں۔ جوگرز بھی سفید۔ سر پہ ہیئر بینڈ پہنے وہ چھوٹی سی پری لگتی تھی۔

''میں نے صبح ماما کو کہا کہ جب آپ پردھان منتری بن جائیں گے تو میں شہزادی بن جاؤں گی۔''

''اور ماما نے کیا کہا؟'' وہ مسکراہٹ دبائے جوگرز کی مدد سے اوپر چڑھ رہا تھا۔

''انہوں نے کہا' صرف میں شہزادی کیوں بنوں گی؟ جولیانہ بھی بنے گی۔''

وہ ہنس دیا۔ عصرہ کو اس سے شکایت ہوتی تھی کہ وہ آریانہ اور جولیانہ میں فرق کرتا ہے۔ ایسی بات نہیں تھی۔ آریانہ بڑی تھی تو زیادہ قریب تھی۔

''ہاں' ظاہر ہے جولیانہ بھی بنے گی۔'' اس نے گردن اٹھا کے اوپر دیکھا۔ وہ سرسبز پہاڑیاں تھیں جہاں بادل نیچے تک اترے ہوئے تھے۔ ان کے سروں کے اوپر سے کیبل کار گزر رہی تھی۔ کتنا خوبصورت تھا اس کا ملک۔ وہ فخر سے مسکرایا۔

''آپ کو جنگل اور پہاڑ اچھے لگتے ہیں' ڈیڈ؟'' وہ اس کا ہاتھ پکڑے چلتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

''بہت زیادہ۔ میں ہر سال صباح کے جنگلوں میں شکار کے لیے جایا کرتا تھا۔ اب کچھ عرصے سے نہیں جا سکا مگر دل چاہتا ہے۔ پارلیمان اور کوالالمپور کی مصروف زندگی سے بالکل کٹ کے کچھ دن پہاڑوں میں گزارنے کا۔''

''آپ کو ایسی جگہوں پہ کیوں مزہ آتا ہے؟''

''کیونکہ جو ملاح طوفانی بارش میں سمندر میں کشتی لے کر نہیں نکلتے' وہ کبھی اچھے ملاح نہیں بن سکتے۔ انسان کو ہر روز خود کو کسی چیلنج کے سامنے پیش کرنا ہوتا ہے تاکہ وہ اس سے بہت کچھ سیکھ کے نکلے۔''

آریانہ کو بات سمجھ نہیں آئی مگر اس نے سر ہلا دیا۔ وہ دونوں ساتھ ساتھ اوپر چڑھتے جا رہے تھے کہ عقب سے آواز آئی۔

''ان چے فاتح (مسٹر فاتح)۔ آریانہ۔'' وہ دونوں ایک ساتھ پلٹے۔

نیچے سے جولیانہ کی نینی چلتی آ رہی تھی۔ یہ ایک انڈین عورت تھی جو چند ماہ سے ان کے گھر ملازمت کر رہی تھی۔ بچوں کی دیکھ بھال کرتی کیونکہ عصرہ ایک ورکنگ وومن ہونے کے ساتھ ساتھ ایک سیاسی بیوی بھی تھی۔ غرض اس عورت شریا نے سارا گھر سنبھال رکھا تھا۔

''سر....'' وہ پھولتی سانس کے ساتھ قریب آئی۔ ''عصرہ بیگم آریانہ کو بلا رہی ہیں۔''

''کیوں؟''

''سکندر ضد کر رہا ہے کہ وہ آریانہ کے بغیر کچھ نہیں کھائے گا۔ سکندر کو بخار بھی ہو رہا ہے۔''

''چلو' ہم واپس چلتے ہیں۔''

''نہیں' سر۔ عصرہ بیگم نے کہا ہے کہ میں آپ کو ٹریک سے نہ روکوں۔ آپ عرصے بعد ہالیڈے پہ آئے ہیں۔ صرف آریانہ کو لے آؤں۔ آپ ٹریک جاری رکھیں۔'' وہ ہمدردی سے بولی تو آریانہ فوراً بولی۔

''آپ جائیں' ڈیڈ۔ میں سکندر کو سنبھال لوں گی۔'' اس نے سمجھداری سے کہا۔ تو اس نے مسکرا کے سر ہلا دیا۔ آریانہ کا ایک ہاتھ اس کے ہاتھ میں تھا۔ دوسرا ہاتھ شریا دیوی نے تھاما تو وہ اس کے ساتھ آگے بڑھی۔ فاتح نے اس کا ہاتھ نہیں چھوڑا۔ وہ مڑی اور اس کو دیکھ کے مسکرائی۔

''سی یو.... ڈیڈ!'' اور پلکیں دو دفعہ جھپکائیں۔ وہ ہلکا سا ہنسا اور اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ شریا اسے لیے نیچے اترنے لگی اور وہ اوپر پہاڑی پہ چڑھنے لگا۔

وہ چند منٹ تک اوپر چڑھتا گیا اور پھر یکایک رک گیا۔ عجیب سا احساس ہو رہا تھا۔ سکندر تو ابھی ٹھیک تھا۔ اسے بخار کیوں ہو رہا ہے؟ وہ واپس پلٹ آیا۔ ٹریکنگ میں دلچسپی ختم ہو گئی تھی۔ وہ نیچے اترنے لگا۔ رفتار تیز تھی' اسے امید تھی کہ وہ جلد آریانہ اور شریا سے جا ملے گا۔ مگر وہ اسے ٹریک پہ کہیں دکھائی نہیں دے رہی تھیں۔ وہ نیچے اترتا آیا۔ بیچ راستے میں رک کے اس نے سیل فون نکالا اور عصرہ کو کال ملائی۔

''سکندر ٹھیک ہے۔ اسے کیا ہونا ہے؟'' وہ مطمئن لگ رہی تھی۔

وہ ایک عجیب سا لمحہ تھا۔ جیسے کوئی روح کھینچ لیتا ہے۔

''تم نے شریا کو ہماری طرف نہیں بھیجا؟''

''نہیں۔ میں تو خود اس پہ غصہ بیٹھی ہوں۔ وہ آدھے گھنٹے سے غائب ہے۔ کیا وہ تمہاری طرف آئی ہے؟ فاتح؟'' وہ پوچھ رہی تھی مگر اسے کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا۔ وہ فون رکھتا ایک دم نیچے بھاگا تھا۔

پہاڑیاں خاموش تھیں۔ سبزہ منہ بند رکھے ہوئے تھا۔

''آریانہ....آریانہ!'' وہ چلاتے ہوئے نشیب میں اتر رہا تھا....

اگلا ایک گھنٹہ کسی سلوموشن فلم کی طرح طے ہوا۔ وہ جیسے ہی ٹورسٹ اسپاٹ تک پہنچا....عصرہ' اشعر اور بچے ادھر ہی آ گئے....پل بھر میں سارے گینٹنگ ہائی لینڈ کو خبر ہوگئی کہ وان فاتح کی بیٹی غائب ہوگئی ہے....کیمروں کے جلتے بجھتے فلیش....موبائل اسکرینز کی روشنیاں....پولیس کے سائرن....لوگ چلا رہے تھے....اس کے ساتھ دوڑ رہے تھے....وہ بھی بھاگ رہا تھا....دائیں بائیں....حلق کے بل چلاتے ہوئے آریانہ کو آوازیں دے رہا تھا....مگر آریانہ نہیں تھی....

وہ غائب ہوگئی تھی....

کسی نے کہا' ایک بچی کو چند ماسک والے افراد وین میں ڈال کے لے گئے ہیں....

وہ سڑک تک بھاگتا آیا....ٹھنڈے موسم میں پسینہ پسینہ ہوئے....مگر نہ کوئی وین تھی....نہ اس کا نام ونشان....پولیس آگے پیچھے بھاگی....کسی نے سی سی ٹی وی کا ریکارڈ کھولا مگر کیمرے میں وین نہیں تھی۔ نہ کیبل کار (چیئر لفٹ) کے کسی کیمرے نے شریا اور آریانہ کو دیکھا تھا۔ پولیس وین کو ڈھونڈتی رہی اور بعد میں علم ہوا کہ وین کی ہوائی اڑانے والا بھی لاپتہ ہے....وہ صرف پولیس کا وقت ضائع کرنے کی کوشش تھی اور کامیاب رہی تھی....کوئی وین نہیں تھی....ساری ناکہ بندیاں بے سود تھیں....

چند منٹ میں کیبل کار (چیئر لفٹ) اسپاٹ جائے حادثہ بن گیا۔ خوف وہراس کی فضا قائم تھی۔ رپورٹرز دھڑا دھڑ ٹی وی چینلز پہ بیان دے رہے تھے' کیمرہ مین تصاویر اتار رہے تھے۔ اشعر روتی ہوئی عصرہ کو ہوٹل لے گیا مگر وہ وہاں سے نہیں گیا۔ وہ اب گینٹنگ ہائی لینڈ کے ریسٹورانوں کی طرف آ گیا تھا۔ آگے پیچھے بھاگتے ہوئے وہ ایک ایک کمرہ چیک کر رہا تھا۔ آریانہ...آریانہ...کیا وہ واقعی اس کا نام پکار بھی رہا تھا یا گلا بیٹھ جانے کے باعث صرف لب ہل رہے تھے؟ وہ کچھ نہیں جانتا تھا۔ ساری دنیا ختم ہوگئی تھی اور صرف ایک حقیقت باقی تھی۔

آریانہ نہیں تھی۔

رات سرکتی رہی۔ بارش نہیں ہوئی۔ آسمان بھی شل تھا جیسے۔ پولیس رپورٹ تیار کر چکی تھی۔ ریسکیو ٹیمیں ناکام لوٹ چکی تھیں۔ کسی کو آریانہ نہیں ملی۔ قوی امکان تھا کہ شریا اب تک بچی کو لیے شہر سے دور جا چکی ہوگی۔ وہ اس وقت ایک پولیس آفیسر کے ساتھ وہیں کے مقامی ریستوران میں بیٹھا تھا۔ پولیس نے اسے باخبر کیا تھا کہ اغوا کار فون کریں گے۔ وہ چپ بیٹھا رہا۔ کھڑکی سے باہر سیاہ

آسمان اور دور تک پھیلی پہاڑیاں دیکھتا رہا۔ اس کا دل کہتا تھا' آریانہ یہیں ہے۔ وہ انہی پہاڑوں میں ہے۔ وہ قریب ہے۔ بہت قریب۔

آدھی رات بیت گئی جب پولیس نے اسے گھر جا کے آرام کرنے کا کہا تو وہ بنا احتجاج کے اٹھ آیا۔ مگر وہ گھر نہیں گیا۔ وہ واپس اسی ٹریک کی طرف چلتا گیا۔ سرسبز پہاڑی پہ بنا راستہ جہاں اس نے آریانہ کا ہاتھ آخری دفعہ چھوڑا تھا۔

بچپن میں جب کوئی شے کھو جاتی تو اس کی ماں کہا کرتی تھی۔ چیزیں ہمیشہ وہیں ڈھونڈنی چاہئیں جہاں وہ کھوئی تھیں۔ وہ ہمیشہ وہیں سے ملتی ہیں۔

پولیس کے کسی سپاہی سے جو ٹارچ اس نے لی تھی وہ اس کے ہاتھ میں تھی۔ اس کی روشنی اندھیر پہاڑی پہ پھینکتا وہ اسی جگہ واپس آیا۔ پھر وہاں سے نیچے اترنے لگا.... بالکل ایسے جیسے اس نے ثریا اور آریانہ کو اترتے دیکھا تھا۔ پولیس نے یہ سارا علاقہ چھان مارا تھا مگر وہ ایک گمشدہ بچی کو ڈھونڈ رہے تھے۔

وہ اپنی سات سالہ بیٹی کو نہیں ڈھونڈ رہے تھے۔

وہ ٹریک سے ہٹ آیا۔ ثریا فاتح کے مڑتے ہی بچی کو بہلا پھسلا کے اس طرف لے آئی ہوگی جہاں اس کی مدد کے لیے کوئی موجود ہوگا۔ وہ ان جھاڑیوں کی طرف آ گیا جہاں لوگ نہیں چلا کرتے تھے۔ ٹارچ کی روشنی آس پاس مسلسل پھینک رہا تھا البتہ اب وہ اسے پکار نہیں رہا تھا۔ اس کے انداز میں احتیاط تھی۔

دور ایک طرف روشنی میں کچھ چمکا۔ وہ تیزی سے قریب آیا۔ کیریمل لگا پاپ کارن۔

اس کا دل زور سے دھڑکا۔ وہ دوڑ کے اس کونے تک آیا۔ یہاں مٹی پہ نشانات تھے۔ گھاس مسلا ہوا تھا۔ مزاحمت۔ زور زبردستی۔

وہ پہاڑی سے نیچے اترتا' ٹارچ کی روشنی ڈالتا گیا۔ وہاں کچا راستہ سا بنا تھا جس پہ ذرا ذرا دیر بعد پاپ کارن کا ٹکڑا گرا نظر آتا تھا۔ وہ تیز تیز دوڑنے لگا۔ دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔

اس کی فیری ٹیلز کی رسیا بیٹی.... جانے اس نے ہنسل اور گریٹل کی طرح بریڈ کرمب خود گرائے تھے یا جیب سے لڑھکتے گئے تھے.... اس کا دل بھر آ رہا تھا مگر وہ دوڑتا گیا۔ وہاں گھسیٹنے کے نشان تھے.... قدموں کے کھرے تھے.... اور وہ رک نہیں رہے تھے.... پولیس اور دوسرے لوگوں کو وین کے پیچھے لگا کے وہ دو افراد جو اس کی بیٹی کو اٹھائے ہوئے تھے' وہ اس راستے سے نکل گئے تھے۔ ثریا اکیلی نہیں تھی۔ اس کے ساتھ اس کا ساتھی بھی تھا۔

اس نے چند گھاٹیاں عبور کیں۔ کچھ پرنالے پھلانگے.... اور دوڑتا ہوا نیچے اترتا گیا۔

پاپ کارن اب ختم ہو چکے تھے۔ اونچی نیچی گھاٹیاں اندھیرے میں ڈوبی تھیں۔

''آریانہ!'' وہ چیخا۔ ٹارچ چاروں اطراف میں ڈالی۔ وہاں کوئی نہیں تھا۔ وہ جنگل سا علاقہ خاموش پڑا تھا۔ ایک طرف سڑک

دکھائی دیتی تھی۔ وہاں ایک کار کھڑی تھی۔ وہ دوڑ کے اس تک آیا۔ راستے میں باڑ وغیرہ لگی تھی مگر اس نے اسے پھلانگ لیا۔

کار لاکڈ تھی اور خالی تھی۔ اگر یہ اغوا کاروں کی کار تھی تو وہ واپس کیوں نہیں گئے؟ وہ ابھی تک پہاڑوں میں کیوں چھپے ہوئے تھے؟

وہ دوبارہ سے پہاڑی کی طرف آیا اور اسے پکارتے ہوئے نیچے اترنے لگا۔ ''آریانہ۔ آریانہ۔'' مگر اندھیرے میں ڈوبے پہاڑ خاموش رہے۔ وہ سب جانتے تھے مگر غم بانٹنے کے عادی نہ تھے۔ اسی لیے سخت اور اونچے تھے۔

نیچے ایک چھوٹا سا جھرنا بہہ رہا تھا۔ وہیں تھکا ہارا اس کے کنارے بیٹھ گیا۔ ارد گرد حشرات الارض رینگ رہے ہیں یا کوئی جنگلی جانور اس طرف آسکتا ہے' اسے پرواہ نہ تھی۔ وہ بس وہیں بیٹھا رہا۔

پھر رات کی سیاہی میں سورج کی کرنیں گھلنے لگیں اور پہاڑ روشن ہونے لگے تو وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

اور نڈھال قدموں سے واپس اوپر چڑھنے لگا۔

وہ جو پوری رات کی خواری اور ٹھوکروں کے باجود نہیں ملی تھی...... وہ واپسی کے چند قدم اٹھانے پہ مل گئی۔

ایک درخت کی کھوہ میں.... وہ لیٹی ہوئی تھی۔

دور سے اسے دیکھ کے فاتح ٹھہر گیا۔ بالکل ساکت۔ جامد۔

اس کا چہرہ دوسری طرف تھا۔ سفید اسکرٹ بلاوز اور اوپر جیکٹ پہنے' وہ لیٹی ہوئی نظر آتی تھی۔ پہلو میں ڈھلکے ہوئے بازو کے ساتھ پاپ کارن بکھرے تھے۔ ساتھ ہی خون بہتا ہوا نظر آرہا تھا۔

وہ من من کے قدم اٹھاتا قریب آیا اور گھٹنوں کے بل آریانہ کے پاس بیٹھا۔ پھر آہستہ سے اس کا چہرہ اپنی طرف موڑا۔

اس کا چہرہ صاف تھا۔ آنکھیں ذرا سی کھلی تھیں۔ مگر چہرے پہ ایک خراش بھی نہ تھی۔ سر کا پچھلا حصہ پچکا ہوا تھا۔ گردن سے نیچے جسم بری طرح مسخ ہو چکا تھا۔

مگر اس کا چہرہ صاف شفاف تھا۔ شہزادیوں جیسا۔

ہاں.... صرف وان فاتح جانتا تھا کہ اس روز.... آریانہ مر گئی تھی۔

صبح پھیل رہی تھی اور جب اس نے گردن جھکا کے دیکھا تو دور نیچے کھائی میں اسے دو لاشیں دکھائی دے رہی تھیں۔ ایک شریا کی تھی۔ دوسرے اس کے ساتھی کی تھی۔ ان کا منصوبہ بچی کو یرغمال بنانے کا تھا مگر پہاڑی سے اترتے ہوئے یا تو اغوا کار پھسلا تھا' یا شاید آریانہ مزاحمت کر رہی تھی.... اور یوں وہ تینوں بلندی سے نیچے گرے تھے۔ آریانہ شاید سو فٹ تک کسی چٹان پہ گری اور وہ دونوں مزید نیچے لڑھکتے گئے تھے۔ ان کی ہلاکت موقع پہ ہی ہو گئی تھی اور لاشوں کی حالت بری تھی۔

مگر.... فاتح نے پھر سے آریانہ کو دیکھا.... آریانہ کا چہرہ صاف اور نکھرا ہوا تھا۔ لب ہلکی مسکراہٹ میں ڈھلے ہوئے تھے۔ شاید وہ

اس بات پہ خوش تھی کہ اس نے اغوا کار کو دھکا دیا ہے.... مگر دھکا کھاتے ہی وہ آریانہ کو ساتھ لے کر گرا تھا۔ وہ تکلیف سے تڑپ تڑپ کے نہیں مری تھی۔ وہ اتنی تیزے سے نیچے آن گری تھی کہ یقیناً اس کی موت فوراً ہوئی تھی۔ چند سیکنڈز میں۔ مسکراہٹ کو لبوں سے جدا ہونے کا وقت بھی نہیں ملا تھا۔

اور پاپ کارن سے کیریمل کی خوشبو ابھی تک آرہی تھی۔

وہ کبھی زندگی میں ایسے نہیں رویا تھا جیسے اس دھندلی صبح آریانہ کے سرہانے بیٹھ کے رویا تھا۔ وہ بار بار اس کا سفید چہرہ چومتا' پھر سر جھکائے رونے لگ جاتا۔ ہاتھ خون آلود ہو گئے.... گردن آنسوؤں سے بھیگتی رہی اور وہ روتا گیا۔

کتنے گھنٹے' کتنے پہر وہ وہاں بیٹھا رہا' اسے یاد نہیں۔

پھر وہ اٹھا۔ ہاتھوں سے چہرہ صاف کیا اور قریب سے مٹی کھودنے لگا۔ اپنے ناخنوں سے مٹی کھود کھود کے گڑھا بنایا۔ پھر اپنی اوپری شرٹ اتاری۔ اس میں احتیاط سے بچی کے اعضاء کو لپیٹا۔ سر کے نیچے اس کا جسم ایسا قیمہ بنا ہوا تھا کہ ہاتھ لگانے پہ ہی اعضا بھر بھری مٹی کی طرح بکھرنے لگتے تھے۔ اس حالت میں کوئی اس کی بچی کو نہیں دیکھے گا' یہ تو طے تھا۔

آنسو برابر آنکھوں سے بہہ رہے تھے مگر اب وہ بے آواز تھے۔ اس نے آریانہ کو گٹھڑی صورت قبر میں ڈالا۔ پھر نیچے اتر آیا۔ جھرنے کے پانی سے وضو کیا۔ گرم دل پہ ٹھنڈی پھواریں مزید گھائل کرتی گئیں۔

واپس آکے.... قبر کے کنارے.... اس نے آریانہ کے لئے آخری نماز پڑھی۔

پھر بدقت ہمت مجتمع کی اور گڑھے کو مٹی سے بھرنے لگا۔ پتھر اٹھا کے اوپر رکھے۔ بھاری وزنی پتھر۔ قبر بند ہو گئی۔ آریانہ آرام دہ جگہ پہ پہنچ گئی تو وہ اٹھا۔ ایک نظر نیچے دیکھا جہاں دور کئی سو فٹ نیچے دو لاشیں پڑی تھیں۔ اسے ان سے نفرت بھی نہیں محسوس ہوئی۔ وہ جانتا تھا ان کو صوفیہ نے بھیجا تھا۔ ان کو تو صرف آریانہ کو اغوا کرنا تھا۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ وہ مر جائے۔

عصرہ کو اشعر گھر لے گیا تھا۔ وہ بھی اپنی کار میں سیدھا کے ایل آگیا۔ کسی سے ملے بغیر کمرے میں گیا۔ خون آلود شرٹ تو آریانہ کے ساتھ دفن ہو گئی تھی مگر نیچے والی شرٹ پہ بھی دھبے تھے۔ اس نے لباس تبدیل کیا اور تازہ دم ہو کے باہر آیا۔ تو عصرہ سامنے آ کھڑی ہوئی۔

وہ رو رہی تھی۔ اس سے پوچھ رہی تھی کہ آریانہ ملی یا نہیں۔

''میں وہاں گیا تھا۔ وہ نہیں ملی۔'' اس نے بس اتنا جواب دیا۔ عصرہ کے آنسو مزید تیزی سے بہنے لگے۔ وان فاتح اب بالکل سنجیدہ تھا۔ چپ۔ خاموش۔ یہ بھی ایک آرٹ تھا۔ اس نے سیکھ لیا تھا۔

اگلے چند دن تفتیش ہوتی رہی۔ سارے ملک میں سوگ سا تھا۔ صرف آریانہ کی وجہ سے نہیں' بلکہ ان دنوں ملائیشیاء کی حکومت اور باغی کمیونسٹ پارٹی کی عسکری لڑائیاں عروج پہ تھیں۔ بہرحال اس نے پولیس کو اس مشتبہ کار کی اطلاع دے دی تھی اور انہوں نے جلد ہی اس